﴿ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ﴾

ایمان و عمل

اور جہاد فی سبیل اللہ

جمع و ترتیب

عمر مختار

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾

ایمان، عمل اور جہاد فی سبیل اللہ

جمع وترتیب

عمر مختار حفظہ اللہ

اخوانکم فی الاسلام:

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

Website: http://muwahideen.co.nr/

Email: salafi.man@live.com

فہرست

باب نمبر:۲

اللہ تعالیٰ کی عبادت اور طاغوت کا انکار

باب نمبر:۳

اسلام کے منافی امور

باب نمبر:۴

الولاء والبراء

باب نمبر:۵

عہد صحابہ میں مرتدین کے خلاف جنگیں

باب نمبر:۶

عہد نبوی میں منافقت کے دو کردار

باب نمبر:۷

توحید حاکمیت سے غفلت اور باطل نظاموں کا تسلط

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تقدیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم. أما بعد

اسلام اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین اور پسندیدہ دین ہے اور یہی بنی نوع انسان کے لیے دینِ فطرت ہے۔ توحیدِ باری تعالیٰ اسلام کا سب سے پہلا اور بنیادی رکن ہے جو تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کی دعوت کا نقطۂ آغاز رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اُس کی ذات اور اسماء وصفات میں یکتا ووحدہ، لاشریک جاننے، کائنات کا حقیقی خالق ومالک اور حاکم ماننے والے کو اہلِ توحید ہیں۔ کلمہ طیبہ لا الٰہ اِلَّا اللہ محمد رسول اللہ پر کامل ایمان لانے کا لازمی اثر یہ ہوتا ہے کہ موحدین تمام باطل معبودوں (طواغیت) سے کفر وبراءت اختیار کرتے اور اہلِ ایمان سے دلی محبت واخوت کے رشتے استوار کرتے ہیں۔ توحید کی ضد شرک ہے اور یہ ایسا خطرناک ظلم ہے کہ جس سے کسی مسلمان کے تمام اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔ بت پرستی اور قبوری شرک کی تباہ کاریوں کے متعلق تو عموماً بہت کچھ بیان کیا جاتا ہے مگر توحید حاکمیت میں شرک کے نقصانات سے بہت کم آگاہی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ حاکمیت میں دانستہ شرک کرنے کی وجہ سے لوگ قبوری شرک میں بھی ملوث ہو جاتے ہیں۔ بلاشبہ حاکمیت میں شرک ہی ایسی بیماری ہے کہ جس نے امت مسلمہ کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ نتیجتاً تمام عالم اسلام پر کفریہ نظام حکمرانی مسلط ہیں۔ ان باطل نظاموں کے ذریعے ہی عالمی صیہونی وصلیبی ساہوکار مسلمانوں کے وسائل واموال، علاقوں اور ملکوں پر ناجائز وغاصبانہ قبضے جمائے ہوئے ہیں اور انہی نظاموں کی بدولت مسلمان پوری دنیامیں کفار کے ہاتھوں تختہ مشق بنے پڑے ہیں۔ کفار کی اسلام دشمن چیرادستیوں کی وجہ سے مسلمان اپنے آفاقی نظام خلافت سے محروم ہوئے اور کفر اِن پر اپنے خونی پنجے گاڑھنے میں کامیاب ہوا۔

دنیائے کفر نے ہمیشہ مسلمانوں کے قلعوں میں اندر سے شگاف ڈالنے کے لیے من پسند منصب اور مال واسباب کے ذریعے حیاء باختہ، غیرت وایمان سے عاری، ضمیر فروش، دختر فروش جیسے خبیث کرداروں سے ہی کام لیے ہیں۔ اور ظلم پر ظلم یہ کہ مفاد

پرست ملّاں ان واضح کفریہ کرداروں کو عارضی آسائشوں کے بدلے سندِ اسلام سے نوازتے اور ان کے دفاع میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان کفریہ نظاموں یا کرداروں سے مظلوم مسلمانوں کو نجات دلانے کے لیے آواز اٹھانے والوں پر بے جا تنقید کرتے اور ان کی مخالفت کرتے ہوئے انہیں خارج از اسلام قرار دے دیتے ہیں۔

ایک طرف طواغیت کا انکار کرنے والوں کو باغی، شدت پسند کہتے ہوئے تہہ تیغ کر دیا جاتا ہے ان کی مساجد، مدارس، علماء، طلبا و طالبات تک کو آتش و بارُود سے بھسم کر دیا جاتا ہے تو دوسری طرف حدود اللہ کو پامال کرنے والوں، مسلمانوں کو کفار کے لیے نوالہ تر بنانے والوں، اللہ ورسول ﷺ کے فرامین کے خلاف کھلا اعلان جنگ کرنے والوں کو امن پسند مسلمان قرار دیا جاتا ہے۔ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ اہل اسلام پر واضح کیا جائے کہ معرکہ حق و باطل میں ہر مسلم کا مطلوبہ کردار کیا ہونا چاہیے۔ جس طرح شرک کی وجہ سے توحید باقی نہیں رہتی اسی طرح اسلام کو ڈھا دینے والے عقائد و اعمال کو وضاحت سے بیان کیا جائے اور دیکھا جائے ایسے کون سے اقوال و افعال ہیں کہ جن کے ارتکاب سے ایمان باقی نہیں رہتا اور اسلام خطرے میں ہوتا ہے۔

قرآن و احادیث اور کبار آئمہ اہل السنۃ کی توضیحات کی روشنی میں دیکھا جائے کہ ایمان و اسلام کے حامل یا تارک کرداروں کی نشانیاں اور معیار کیا ہیں۔ مسلمانوں کے اندر سے کفر پسند، منافق اور غداران دین و ملت کرداروں کی شناخت واضح کرنے سے ہی ملت اسلامیہ کو مزید خطرات اور نقصانات سے بچایا جا سکتا ہے۔

عقیدہ توحید اور الولاء والبراء سے متعلق ہی دیکھ لیں کہ موجودہ حالات میں اس نظریہ دوستی و دشمنی کو جتنا زیادہ بیان کرنے ،عام کرنے کی ضرورت ہے، بالکل اس کے برعکس علماء کرام اس کا تذکرہ بھول گئے ہیں اور جو آج سے دس بیس سال پہلے اسے اہمیت دیتے تھے وہ بھی چُپ سا ہو گئے ہیں۔

اور صرف چُپ ہی نہیں بلکہ اس عقیدے کے حاملین پر نازیبا کلام کرنے میں ہچکچاہٹ بھی محسوس نہیں کرتے اور بہت سے نیکو کار علماء کرام ایسے بھی ہیں کہ جو اس عقیدہ توحید حاکمیت اور الولاء والبراء کی بھرپور تائید بھی کرتے ہیں اسے عین حق

اور وقت کی ضرورت بھی سمجھتے ہیں مگر کھل کر اس کا اظہار و بیان نہیں کرتے۔ اور کہتے ہیں کہ کفر و طاغوت کے تحت رہتے ہوئے یہ کام ہم سے بھاری ہے۔

دین اسلام کا حقیر سا طالب علم ہونے کے ناطے چند داعیان کتاب و سنت کی تصانیف سے عقیدہ توحید اور الولاء والبراء سے متعلقہ اقتباس اس کتاب کی شکل میں جمع کیے ہیں، اس درد اور ضرورت کے پیش نظر کہ آج اگر علماء نے انھیں اپنے پر بھاری جانتے ہوئے بالکل ہی ترک کر دیا تو کل آنے والی ہماری نسلِ نوخیز کو یہ پیغامِ حق کون سنائے گا۔

متلاشیان و طالبانِ حق بلاشبہ جتنا پیچھے قرونِ اولیٰ کی طرف جائیں گے حق واضح ہو تا جائے گا۔ کلام اللہ قرآنِ مقدس کی تفاسیر و حواشی، احادیثِ مبارکہ اور اصولِ دین و عقائدِ اسلام کی جو تشریحات و توضیحات قرون اولیٰ کے ائمہ کرام اور مجتہدین نے بیان کر دی ہیں وہی خالص اور کافی ہیں۔ نئی پیوند کاریوں اور من پسند تشریحوں، تفسیروں کی ضرورت باقی نہیں ہے۔ کہنے کو تو منکرین حدیث اور شرک و بدعات میں ڈوبے ہوئے لوگ بھی قرآن کی آیات اور منتخب احادیث رسول بیان کرتے ہیں۔ مگر وہ جو انھیں موافق ہوں۔ اور ان سے اپنی خواہش کے مطابق معانی بھی نکال لیتے ہیں جو کہ سراسر خلافِ حقیقت یا انتہائی بے محل ہوتے ہیں۔

اہل ایمان عقیدہ توحید اور الولاء والبراء میں جتنے پختہ ہوتے جائیں باقی اعمال و اقوال میں اُتنا ہی نکھار آتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بندہ اپنے تمام افعال و اقوال، جان و اموال اللہ کے دین کی سربلندی اور توحید و رسالت کی حکمرانی کی خاطر قربان کر دیتا ہے۔ افغانستان میں بر سرِ پیکار عرب اور دیگر مہاجر و انصار مجاہدین میں یہی قدر مشترک ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ عالمِ کفر اور اس کے اتحادی بے شک کتنی بھی طاقت میں ہوں، ہم کلمہ توحید و رسالت کے اقرار کے بعد کفر کی غلامی قطعاً قبول نہیں کر سکتے۔ اور جب تک ہمارے جسموں میں سکت ہے ان طاغوتوں سے ٹکرائیں گے۔ عالمی صیہونی و صلیبی کفر بھی اصل میں اسی اسلامی فکر کا تعاقب کر رہا ہے کہ وہ جانتا ہے یہی لوگ ہمارے لیے حقیقی خطرہ ہیں۔ اسی فکر سے طاغوتی نظام پاش پاش ہوتے ہیں۔

ہمارا مقصد کسی کی دل آزاری کرنا یا فتنہ و انتشار پیدا کرنا ہر گز نہیں اور نہ ہی کسی مسلمان کی تکفیر و تحقیر مراد ہے بلکہ مقصود صرف یہ ہے کہ عقیدہ توحید اور الولاء والبراء ہی جب امت کا انتہائی اہم و بنیادی مسئلہ اور کور ایشو ہے تو اس کی زیادہ سے زیادہ

اشاعت وترویج کی جائے۔ کیونکہ مسلم ممالک، اداروں اور معاشروں میں ہمارے مسلم افراد، اعزاء واقارب ہی مختلف مناصب پر فائز ہیں۔ ان کے لیے اسلام کے بنیادی عقائد کو واضح کرنا بہت ضروری ہے۔ تاکہ ہر کوئی اپنی بساط واستطاعت کے مطابق اپنے دین وایمان پر پختگی سے عمل پیرا ہو سکے۔ اور دشمنانِ دین وملت کی پہچان کر کے ان کا آلہ کار بننے کی بجائے اپنے ایمان کا دفاع کرتے ہوئے ڈٹ کر مقابلہ کرے۔ ہر کوئی اپنے اپنے مقام پر اسلامی وملی غیرت وحمیت کا پیکر بنے اور اسلام کے خلاف کسی عمل کا حصہ نہ بنے۔ یقیناً اسی میں ہم سب کی خیر وعافیت ہے۔

خیر اندیش

عمر مختار حفظہ اللہ

عقائد میں تغیر و تبدل دین میں تغیر کا باعث اور یہی مسلم امہ کی زبوں حالی کا باعث بنا ہے۔

خود بدلتے نہیں قرآن بدل دیتے ہیں
ہوئے کس قدر بے توفیق فقیہان حرم
وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

....

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا، زور حیدر، فقر بوذر، صدق سلمانی رضی اللہ عنہم
ہوئے احرار ملت جادہ وپیما کس تجمل سے
تماشائی شگاف در سے ہیں صدیوں کے زندانی
ثبات زندگی ایمان محکم سے ہے دنیا میں
کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے نورانی (بانگ درا)

....

یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی
بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی ہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی
گماں آباد ہستی میں یقیں مرد مسلماں کا
بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی (بانگ درا)

....

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

....

باب نمبر: ۱

عقائد اسلام و ایمان

اسلام کا مطلب کیا ہے:

اسلام اللہ تعالیٰ کی توحید اور اخلاص کے ساتھ اس کا تابع و فرماں بردار ہو جانے اور اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و تابعداری پر جم جانے کا نام ہے۔ اور اسلام کا نام اسلام اسی لئے ہے کہ مسلمان اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کر دیتا ہے، اسی کو ایک مانتا ہے، غیروں کی چھوڑ کر تنہا اسی کی عبادت کرتا ہے، اور اسی کے احکام کی فرمانبرداری کرتا ہے، اور نافرمانی سے باز رہتا ہے اور اس کی حدود سے آگے نہیں بڑھتا ہے، یہی اسلام ہے۔ (حسن عقیدہ ص:123-124)

ارکان اسلام اور ارکان ایمان:

حدیث جبریل علیہ السلام بہت مشہور ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

" ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ اچانک ایک آدمی آیا جس کے کپڑے بہت سفید تھے اور بال بہت سیاہ تھے۔ اس پر سفر کا کوئی اثر نہ تھا نہ ہی ہم اسے پہچانتے تھے۔ (یعنی اگر دور سے آیا ہوتا تو اس پر سفر کے آثار ہوتے، اگر قریب سے آیا ہوتا تو ہم میں سے کوئی اسے جانتا ہوتا) وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا اور اپنے دونوں ہاتھ رانوں پر رکھ لئے (بہت مؤدّب ہو کر بیٹھا) اور کہا، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے اسلام کے متعلق بتایئے (اسلام کیا ہے؟) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" تم شہادت دو کہ اللہ کے سوا عبادت کا کوئی مستحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اللہ کے پیغمبر ہیں۔ اور نماز کو صحیح طور پر ادا کرو اور اپنے مال کی زکوۃ دو اور رمضان کے روزے رکھو اور بشرط توفیق بیت اللہ کا حج ادا کرو۔"

اس نے کہا: (صدقت) آپ نے سچ فرمایا۔ ہمیں تعجب ہوا کہ پوچھتا بھی ہے اور تصدیق بھی کرتا ہے۔ (یعنی اسے معلوم ہے تو پوچھتا ہی کیوں ہے اور اگر معلوم نہیں تو تصدیق کیسے کرتا ہے) پھر کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایمان کی بابت بتایئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم اللہ کے وجود پر، فرشتوں پر، اللہ کی کتابوں پر، اس کے رسولوں علیہم السلام پر، یوم آخرت پر، تقدیر کی اچھائی اور برائی پر ایمان لاؤ۔"

اس نے کہا، آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ پھر کہا، آپ ﷺ بتائیں، احسان کیا ہے؟ فرمایا:

"تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ نہ ہو تو یوں سمجھو کہ وہ تمہیں یقینا دیکھ رہا ہے۔"

اس نے کہا: آپ ﷺ مجھے قیامت کے متعلق بتائیں۔ (یعنی قیامت کب ہوگی) فرمایا:

"جس سے سوال کیا جارہا ہے وہ سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔"

اس نے کہا اس کی نشانیاں بیان فرمائیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

" لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی (یعنی اولاد ماں پر حکومت کرے گی اور والدین کی نافرمان ہوگی یا مالک اپنی نوکرانیوں کے ساتھ زنا کریں گے اور ان سے اولاد ہوگی) اور تم دیکھو گے کہ ننگے پاؤں والے، ننگے بدن والے، تنگدست، بکریاں چرانے والے، عظیم الشان عمارتیں بنائیں گے۔"

پھر وہ آدمی چلا گیا۔ میں تھوڑی دیر وہیں ٹھہرا رہا۔ نبی ﷺ نے فرمایا۔ عمر t جانتے ہو، یہ سائل کون تھا؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا یہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔ تمہیں دین سکھانے کے لئے تشریف لائے تھے۔ (مسلم)
(عقیدہ و منہج ص 55)

ایک مسلمان کے لئے دین کا کم از کم اتنا علم اور عمل ضروری ہے:

مذکورہ حدیث میں اسلام کے پانچ ارکان کا بیان ہوا ہے، جن پر عمل کرنا ضروری ہے اور ایمانیات سے متعلق چھ چیزیں بیان کی گئی ہیں، جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یہ عقیدہ اور عمل سے متعلق کل گیارہ چیزیں ہیں، محدثین اور شارحین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایک مسلمان کے لئے دین کا کم از کم اتنا علم حاصل کرنا اور سیکھنا ضروری ہے۔ اور جو اسلام کی ان گیارہ چیزوں یعنی چھ ایمانیات اور پانچ ارکان کو نہیں مانتا یا کسی ایک کا انکار کرتا ہے، وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ کیونکہ عقیدہ و ایمان اور عمل سے متعلق یہ چیزیں دین کی بنیاد ہیں اور انہی پر دین کی پوری عمارت استوار ہوتی ہے۔ جو شخص یہ نہیں جانتا کہ نماز کیا ہے؟ اسے کیسے ادا کرنا ہے، روزہ رکھنے کا طریقہ کیا ہے، حج کیسے ادا کیا جائے گا، زکوٰۃ کا نصاب اور ادائیگی کا طریقہ وغیرہ کیا ہے، تو ان چیزوں کو جانے اور سیکھے اور عمل کئے بغیر کوئی شخص کیسے پہچانا جا سکتا ہے کہ یہ مسلمان ہے۔ (عقیدہ و منہج ص:65)

رسولوں کی بعثت کا مقصد:

پہلا اہم سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں علیہم السلام کو کیوں مبعوث کیا؟ اس کا جواب ہے کہ اللہ نے رسولوں علیہم السلام کو اس لئے بھیجا کہ وہ اس کی عبادت کی طرف لوگوں کو دعوت دیں اور شرک سے لوگوں کو باز رکھیں۔

اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلاً أَنِ اعْبُدُوا اللهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾(النحل: 16/36)

" اور یقینا ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی عبادت سے اجتناب کرو۔"

اس ضمن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تمام انبیاء علیہم السلام آپس میں بھائی ہیں اور ان کا دین ایک ہی ہے" (متفق علیہ)

قرآن مجید کی مذکورہ آیت اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معلوم ہوا کہ تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ایک ہی تھا اور وہ یہ کہ وہ لوگوں کو صرف ایک اللہ کی عبادت پر جمع کریں اور انہیں توحید کی طرف لائیں۔ شرک سے روکیں کیونکہ لوگ شرک کی طرف بھاگ بھاگ کر جاتے ہیں۔ شیطان کی کوشش یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی عبادت اور توحید سے ہٹا کر انہیں شرک کی طرف لے جائے جبکہ اس کے مقابلے میں انبیاء کا کام لوگوں کو توحید اور اللہ کی عبادت کی طرف لانا ہے۔ شیطان کو جب جنت سے نکالا گیا تو اس نے اللہ سے اجازت لی کہ وہ انسانوں کو گمراہ کر سکے۔ اللہ نے اسے اجازت دی کہ وہ جو کر سکتا ہے کر لے لیکن ساتھ ہی اللہ نے یہ بھی بتا دیا کہ تو یاد رکھ لے کہ میرے مخلص بندے تیرے پیچھے نہیں چلیں گے۔ اب شیطان کی کوشش ہے کہ چونکہ انسان کی وجہ سے وہ جنت سے نکلنے پر مجبور ہوا، اس لئے وہ بھی انسانوں کو جنت میں داخل نہ ہونے دے گا بلکہ وہ سب کو ساتھ لے کر جہنم میں جائے گا۔ جہنم میں لے جانے کا سب سے بڑا اور یقینی راستہ شرک کا راستہ ہے۔ اس لئے شیطان کی سب سے بڑی کوشش ہمیشہ یہ رہی ہے کہ لوگوں کو شرک کی طرف کھینچے کیونکہ شرک ایک ایسی چیز ہے کہ جب انسان اس کی طرف آ جاتا ہے تو پورے دین سے آسانی سے نکل جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ نے بے شمار انبیاء اور رسل صرف اسی ایک مقصد کے لئے بھیجے کہ وہ لوگوں کو شیطان کے اس راستے سے ہٹائیں جو جہنم کی طرف لے کر جاتا ہے اور انہیں اللہ کی عبادت اور توحید کے اس راستے کی طرف دعوت دیں جو جنت کی طرف لے جاتا ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک سب انبیاء کا یہی مشن تھا۔

اب آپ ﷺ کے بعد قیامت تک آپ ﷺ کی امت کے علماء اور صلحاء کی یہ ذمہ داری لگائی گئی کہ وہ اس مشن کو ادا کرتے رہیں۔ حجتہ الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو یہی سمجھایا تھا کہ میں اللہ کا آخری نبی ہوں۔ اللہ کی آخری کتاب نازل ہو چکی۔ آج اللہ کا دین مکمل ہو چکا۔ میں نے سارا دین تمہیں پہنچا دیا، سمجھا دیا اور عمل کر کے دکھا دیا۔ اب میرا کام مکمل ہو گیا ہے۔ اب میرے بعد تم اس ذمہ داری کو اٹھاؤ گے۔ آپ ﷺ کے الفاظ تھے۔﴿فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ﴾ پس جو موجود ہے، وہ اس کو پہنچانے کا فریضہ ادا کرے جو یہاں موجود نہیں۔ گویا کہ نبی ﷺ نے اس دین اور توحید کی دعوت کو لوگوں تک پہنچانے کا مشن اپنی امت کو سونپ دیا۔ اب امت کے ذمے دعوت کا کام ہے۔(عقیدہ و منہج ص:68)

دعوت کیا ہے؟

دراصل دعوت کہتے ہی توحید کی دعوت کو ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلانے کو ہی دعوت کہتے ہیں۔ اگر ہم اس سلسلے میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ وہ چاہے معیشت کا کوئی مسئلہ بیان کرنے لگیں تو اس کا آغاز اللہ کی توحید سے کرتے ہیں۔ وہ اس کو یوں بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ کی توحید میں انسان کا عقیدہ خراب ہو جاتا ہے تو پھر شرک کے آنے کی وجہ سے قوموں کی معیشت بھی تباہ ہو جاتی ہے۔

اسی طرح سیاست اور دیگر اجتماعی امور سے متعلق کوئی مسئلہ ہو یا انفرادی اخلاقیات و معاملات حتیٰ کہ نکاح، طلاق سے متعلق کوئی مسئلہ ہو تو امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اللہ کی توحید سے ہی اس مسئلے کا حل بیان کریں گے۔ وہ لوگوں کو بتاتے ہیں کہ ہر چیز کی بنیاد اللہ کی توحید ہے۔ اور ہر بگاڑ کی بنیاد شرک ہے۔ جتنا لوگوں کے اندر شرک آتا جاتا ہے، اتنا ہی بگاڑ آ جاتا ہے۔ اور اتنی ہی دنیا و آخرت میں انہیں تباہیاں اور بربادیاں نصیب ہوتی ہیں۔

آپ یہ دیکھیں کہ بہت سے انبیاء علیہم السلام ایسے گزرے ہیں کہ جن سے مختلف معاشرتی مسائل اس قدر ذکر نہیں ہوئے صرف اللہ کی توحید کا ذکر ان سے ملتا ہے کیونکہ توحید مکمل دین ہے اور یہی ہمارے لئے سمجھنے کی بات ہے۔(عقیدہ و منہج ص:80)

فتنوں کے دور میں سلف کا اسلوب دعوت:

ہمیں چاہیے کہ ہم سلف کے اسلوب دعوت کو سمجھیں۔ وہ اسلوب بڑا سادہ تھا۔ علم کے ساتھ عمل تھا۔ تقویٰ اور صبر تھا۔ تکلف ہر گز نہیں تھا۔ مفاد بالکل نہیں تھا۔ ہمدردی تھی۔ حقیقی علم کی روشنی تھی اور کام میں لگن اور محنت تھی۔ اور اللہ سے اجر کی امید تھی۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے توحید کو اس طرح سمجھایا ہے کہ پورے دین کو اسی مسئلے کے ساتھ بیان کیا ہے۔ انسانی مسائل و ضروریات میں توحید سمجھائی ہے۔ کوئی مسئلہ انفرادی ہو اجتماعی ہو سیاسی ہو یا معاشی ہو ہر مسئلے کو توحید سے وابستہ کر دیا۔ اس سے انسان سادگی کے ساتھ سمجھتا ہے کہ ہم نے جملہ امور اور معاملات میں اللہ کا حکم ماننا ہے۔ ہم نے ہر چیز اللہ سے لینی ہے۔ ہمارا ہر معاملہ اللہ سے وابستہ ہے، پوری زندگی پر دین اسی طرح جاری ہو گا کہ اللہ سے اس کا تعلق جڑ جائے گا۔ یہ ذہن بنا کر وہ قرآن و حدیث سے ہر مسئلے کا استدلال کرتے ہیں۔ ہر ذہن کو قرآن و حدیث کی طرف کھینچتے ہیں۔ سلف کے ہاں، علماء مجتہدین کے ہاں یہی اسلوب عام طور پر پایا جاتا ہے۔ یہی لوگ حقیقت میں فتنوں کے دور میں اسلام کے صحیح نمائندے تھے۔ اور ان کی دعوت تمسک بالکتاب والسنہ کے ساتھ تھی۔ یہی لوگ اصلاح کر سکے ہیں اور آج بھی اسی طرح ممکن ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ موجودہ فتنہ و فساد اور انسانی مسائل کے انبار میں اسلام کی دعوت ہی حل ہے۔ یہ دعوت توحید کی بنیاد پر قائم ہے۔ وہ لوگ دعوت کے اہل ہوں گے جو گروہ بندی اور فرقہ پرستی سے نکل کر خالص کتاب و سنت کی بنیاد پر اور پوری امت مسلمہ کے مسائل کو سامنے رکھ کر امت میں دعوت کو منظم کریں گے۔ مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح کریں گے اور پوری حکمت کے ساتھ دعوت دیں گے۔ خود ساختہ حکمتوں کے پردے میں دعوت کو نہیں چھپائیں گے اور نہ ہی تکفیر کا منہج اختیار کریں گے اور نہ ہی تکلف کرتے ہوئے دعوت کو مشکل مسئلہ بنائیں گے۔ بلکہ لوگوں کو سمجھائیں گے کہ انبیاء نے اسی منہج پر قوموں کی اصلاح کی تھی اور وہی دعوت لے کر اسی اسلوب و منہج کے ساتھ ہم حاضر ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دعوت موجود ہے۔ اور وسائلِ دعوت بھی موجود ہیں۔ وہ داعی چاہئیں جو دعوت کو اس کے حقیقی وسائل کے ساتھ لے کر آگے بڑھیں۔ ان کی تیاری ضروری ہے۔ اللہ ایسے لوگوں کو کھڑا کر دے، جو اس کے دین کے کام آجائیں۔ اللہ ان سے راضی ہو اور وہ اللہ سے راضی ہوں۔ اور اللہ اس کام میں برکت دے اور قبول فرمالے اور اللہ ہمیں ان کا ساتھی بنادے، جو توحید

کے داعی ہوں اور دین پر قائم ہوں اور اللہ کے دین کو قائم کریں۔ اس طرح ہم دنیا سے جائیں کہ اللہ شہادت کی موت عطا فرمائے اور حساب کے بغیر جنتوں میں داخل کردے اور اسی امت کے پہلے داعی محمد رسولe کا ساتھ نصیب ہو۔ (عقیدہ و منہج ص:140)

ایمان کی تعریف میں سلف صالحین کا مذہب:

اہل السنۃ والجماعت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ایمان دل کے اعتقاد زبان کے قول واقرار اور اعضاء کے ساتھ عمل کا نام ہے۔ اور ایمان اطاعت کی وجہ سے بڑھتا اور نافرمانی کی وجہ سے کم بھی ہوتا ہے۔

امام ابن قیم، ابو عمر بن عبد البر، عبد اللہ بن احمد (رحمۃ اللہ علیہم) کے نزدیک ایمان قول و عمل اور اعتقاد کا نام ہے اور عمل بغیر نیت معتبر نہیں اور ان کے نزدیک ایمان اطاعت کی وجہ سے بڑھتا ہے اور گناہوں کی وجہ سے کم ہوتا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل کی اطاعت کا ہر فرضی و نفلی کام ایمان میں شامل ہے۔ (کتاب الایمان لابن تیمیہ 313-314)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ایمان کی تعریف کے بارے میں فرماتے ہیں

" ایمان کی تفسیر میں ائمہ اہلسنت کے کئی اقوال ہیں۔ کہ ایمان قول، عمل، نیت کا نام ہے۔ اور کوئی کہتے ہیں کہ یہ قول، عمل، نیت اور اتباع سنت کا نام ہے۔ اور کبھی کہتے ہیں کہ زبان کے قول، دل کے اعتقاد اور اعضاء کے ساتھ عمل کا نام ایمان ہے۔ یہ تمام تفاسیر صحیح ہیں کیونکہ جب وہ قول عمل کو ایمان قرار دیتے ہیں تو قول میں دل اور زبان دونوں کا قول آجاتا ہے۔ اور لفظ قول اور کلام کا بھی یہی مفہوم ہے۔ قول میں عقیدہ اور زبان کا اقرار دونوں چیزیں آجاتی ہیں اور صرف عمل سے نیت سمجھ نہیں آسکتی اس لئے انہوں نے سنت کا اضافہ کر دیا ہے اور جنہوں نے اتباع سنت کو ایمان میں شامل کیا تو اس لئے کہ کوئی بھی عمل اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب نہیں بن سکتا جب تک وہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع نہ ہو۔" (مجموع الفتاویٰ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ 171-170:)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ:

اہل سنت کے نزدیک اقرار و عمل کو ایمان قرار دینا سنت کی علامت میں سے ہے بے شمار علماء نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور بعد کے وہ علماء جن سے ہم نے ملاقات کی ان کا اس بات پر اجماع ہے کہ ایمان قول، عمل اور نیت کا نام ہے اور یہ تینوں چیزیں ایک دوسرے کے بغیر کفایت نہیں کرتیں۔" (مجموع الفتاویٰ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ: 7/307)

امام ابو القاسم اللالکائی نے اپنی کتاب " شرح اصول اعتقاد اہل سنۃ والجماعۃ" میں ایمان سے متعلق بہت سی نصوص جمع کی ہیں۔ جن میں انہوں نے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین رحمۃ اللہ علیہم، اور بعد کے ائمہ اہل سنت جو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرنے والے اور سنت اور دعوت الی اللہ میں امام کے لقب سے ملقب ہیں ان کا ذکر کیا ہے۔ جن میں امام حسن بصری، ابو عبد اللہ سفیان ثوری امام احمد بن حنبل، امام محمد بن اسماعیل بخاری ابو زرعہ، ابو حاتم رازی امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (رحمۃ اللہ علیہم) اور سلف صالحین کی جماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ وہ کہتے ہیں ایمان قول و عمل کا نام ہے اور وہ بڑھتا بھی ہے اور کم بھی ہوتا ہے۔

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت سے ثابت ہے اور تمام اہل دین و اہل الفضل کا بھی یہی عقیدہ ہے۔" (شرح اصول اعتقاد اہل سنۃ والجماعۃ: 1/151 تا 176)

ایمان کا ظاہر و باطن سے تعلق:

قرآن و حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ انسان کے ظاہری اعمال کا دل کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اگر عمل اچھا ہے تو یہ تعلق بھی بہتر ہو گا اور اگر عمل برا ہے تو اس کا تعلق بھی برا ہی ظاہر ہو گا۔ علماء اہل السنہ والجماعت ظاہر و باطن کے تعلق کے قائل ہیں لیکن مرجیہ اس کے منکر ہیں اور اس اختلاف کا اصل سبب بھی ایمان کی تعریف میں اختلاف ہی ہے۔

کیونکہ مرجیہ کے نزدیک ایمان صرف تصدیق یا تصدیق مع الاقرار کا نام ہے۔ اس لئے ان کے ہاں ظاہر و باطن کا تعلق کوئی ضروری نہیں۔ ان کا موقف ہے کہ دل کے ایمان کا ظاہری اعمال سے کوئی رابطہ نہیں اور تمام لوگ ایمان میں برابر ہیں اور یہ

سب کو تصدیق یا تصدیق مع الاقرار کی وجہ سے مومن کہتے ہیں۔ مرجئیہ کی ایک شاخ جہمیہ کا یہ موقف ہے کہ آدمی اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان لانے کے بعد خواہ کوئی بھی عمل نہ کرے نہ نماز پڑھے نہ روزہ رکھے اور نہ دیگر امور اسلام ادا کرے تو تب بھی مومن ہی ہے۔

جبکہ اہل السنہ والجماعت اور ان کے ہمنواؤں کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی بشر کو انسان کے باطن کی معرفت کی طاقت نہیں دی لیکن کچھ ظاہری علامات ایسی رکھ دی ہیں جن سے انسان کے باطن کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔ یہ ظاہری اعضاء کے اعمال اور دل کے اعمال کے ربط کی واضح دلیل ہے۔ مثلاً جب انسان کا دل اللہ کی محبت، خشیت وانابت اور نبی ﷺ کی اطاعت سے پر ہو گا تو انسان کے اعضاء نیکی و تقرب الی اللہ کے اعمال اپنائیں گے اور اپنے اعمال سے انسان کے باطن کا اچھا ہونا بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر انسان برے اعمال کا مرتکب نظر آئے تو اس کے باطن کا برا ہونا واضح ہو جاتا ہے۔

کیونکہ جب ایک مکلف انسان سے اللہ پر ایمان اور نبی ﷺ کی اطاعت ظاہر ہو گی تو یہ اس کے باطن کے عمدہ ہونے کی دلیل ہو گی اور اگر ایسا نہیں تو پھر اس کا باطن بھی ایسا نہیں سمجھا جائے گا۔ قرآن و سنت میں دو طرح کے لوگ اس اصول سے متثنیٰ نظر آتے ہیں:

① منافق۔ ② مجبوری سے اپنے ایمان کو چھپانے والا۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا دل اصل ہے اگر اس میں معرفت و ارادہ ہو گا تو بدن میں اثرات ضرور پائے جائیں گے یہ ناممکن ہے کہ دلی ارادہ کا بدن پر اثر رونما نہ ہو۔ اسی لئے نبی ﷺ نے فرمایا جسم میں ایک ایسا ٹکڑا ہے اگر صحیح ہو جائے تو سارا جسم صحیح ہوتا ہے اور اگر وہ خراب ہو تو سارا جسم خراب ہوتا ہے اور یہ دل ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا دل بادشاہ ہے اور اعضاء اس کے لشکر ہیں۔ جب دل تندرست و مستقیم ہو گا تو اس کے لشکر بھی تندرست و مستقیم ہونگے اگر دل خبیث ہو گا تو اس کے لشکر بھی خبیث ہونگے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول بھی نبی ﷺ کی بات کے قریب قریب ہی ہے جبکہ نبی ﷺ کا فرمان بہت واضح ہے بسا اوقات بادشاہ نیک ہوتا ہے اس کے لشکر والے اپنی مرضی کے مالک

ہوتے ہیں۔ کبھی بادشاہ کی بات مان لیتے ہیں اور کبھی انکار کر دیتے ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک نیک ہوتا ہے تو دوسرا بری بھی ہو سکتا ہے۔ جبکہ جسم ہمیشہ دل کے تابع ہوتا ہے اور اس کے ارادہ سے نہیں نکل سکتا۔ جیسے نبی ﷺ نے فرمایا

" جب دل صحیح ہوتا ہے تو سارا جسم صحیح ہوتا ہے اور جب دل فاسد ہوتا ہے تو سارا جسم برباد ہو جاتا ہے"

یعنی جب دل اپنے علمی و عملی اعمال کی وجہ سے نیک و صالح ہوتا ہے تو اس کا اثر انسان کے ظاہری جسم پر بھی نمایاں ہوتا ہے اور وہ بھی اسی طرح نیک و صالح ہوتا ہے جیسا کہ آئمہ کرام نے فرمایا! ایمان قول و عمل کا نام ہے تو قول سے مراد ظاہر و باطنی قول اور عمل سے مراد بھی ظاہری و باطنی عمل ہے۔ کیونکہ جب باطن صحیح ہو گا تو ظاہر بھی درست ہو گا اس لئے کہ ظاہر باطن کے تابع ہوتا ہے، اسی طرح اگر باطن خراب ہو گا تو ظاہر بھی خراب ہو گا۔ اسی وجہ سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے نماز میں فضول حرکات کرنے والے نمازی کے بارے میں مروی ہے کہ اگر یہ عاجزی اختیار کرتا تو اس کے اعضاء بھی عاجزی اختیار کرتے۔ (مجموع الفتاویٰ:7/187)

اسی طرح شیخ نے یہ بھی فرمایا کہ دل کے وہ حالات جو ایمان کو ملتزم کرتے ہیں یہ مسلمان و مومن سے بغیر قصد وارادہ کے لازم ہوں گے اگر ایسا نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس آدمی کے دل میں واجبی ایمان داخل نہیں ہوا۔ یہ مفہوم قرآن کریم کی درج ذیل آیت سے واضح ہو رہا ہے:

"اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والوں سے محبت کرنے والا ہر گز نہ پائیں گے بیشک وہ ان کے باپ، بھائی، اور کنبہ والے کیوں نہ ہوں۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا ہے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ مومن آدمی اللہ اور اس کے مخالفین سے محبت نہیں رکھے گا کیونکہ اس کا ایمان اس محبت کے منافی ہے جیسے دو مخالف چیزیں ایک دوسرے کے منافی ہوتی ہیں جب ایمان ہو گا تو اللہ کے دشمنوں سے محبت ایمان کے برعکس چیز ہے اور اگر کوئی آدمی اللہ کے دشمنوں سے دلی محبت رکھتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس میں حقیقی ایمان نہیں ہے۔

اسی طرح شیخ نے فرمایا! جب انسانی دل کے اندر پیغمبر ﷺ کی تصدیق اور محبت ہو گی تو لازمی طور پر انسان کا جسم ایسے اعمال و اقوال اپنائے گا جس سے واضح ہو گا کہ واقعتا اس آدمی کے دل میں نبی ﷺ سے سچی محبت ہے۔ کیونکہ جسم کے ظاہری اقوال وافعال بھی دل پر اثر کرتے ہیں دل و جسم ہر ایک دوسرے پر اثر کرتا ہے۔ لیکن اصل دل ہے اور جسم اس کی شاخ و فرع ہے اور یہ اپنی اصل سے مدد حاصل کرتی ہے۔ یہ اصل ہی قائم اور پختہ کرتا ہے جیسا کہ کلمہ طیبہ کی مثال ایک درخت سے دی گئی اور اس درخت میں اصل اپنی فرع کو مضبوط و قائم کرتی ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا جب دل میں پختہ ارادہ تصدیق اور کامل محبت پیدا ہو جاتی ہے تو لازمی طور پر ظاہری اعمال وقوع پذیر ہوتے ہیں کیونکہ پختہ ارادہ کے ساتھ جب قدرت شامل ہو جائے تو مراد لازمی طور پر حاصل ہوتی ہے لیکن جب ارادہ و قدرت کامل نہ ہو تو اعمال کا وقوع پذیر ہونا بھی ناممکن ہو جاتا ہے۔ جب دل نبی ﷺ کی رسالت کا اور آپ ﷺ سے کامل محبت کا اقراری ہو تو ناممکن ہے کہ آدمی شہادتین کا اقرار نہ کرے ہاں اگر کوئی عذر ہو جائے جیسے گونگا پن یا خوف وغیرہ تو دراصل یہ توحید ورسالت کی گواہی پر قادر ہی نہیں ہے۔ (مجموع الفتاویٰ: 7/187)

اور شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا! جو آدمی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو بخوشی (بغیر اکراہ) گالی دیتا ہے بلکہ جو آدمی طوعاً کفریہ کلمات کہتا ہے یا اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات اور اس کے رسول ﷺ سے استہزاء (مذاق) کرتا ہے تو ہمارے نزدیک وہ آدمی ظاہر و باطن میں کافر ہے اور جو کہتا ہے کہ ایسا آدمی باطن میں تو مومن ہے صرف بظاہر کافر ہے درست نہیں۔ جبکہ جس نے یہ کفریہ کام کیا اس کے کفر پر تو پوری امت مسلمہ متفق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

۞　"کیا یہ لوگ پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے"۔ (المائدہ: 50)

۞　سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ ﷺ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ﷺ ان میں کر دیں ان پر اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں"۔ (النساء: 65)　　(بحوالہ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: 13/119)

اور امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ مائدہ کی سابقہ آیت کی تفسیر میں یہ بھی فرمایا اللہ تعالیٰ ہر اس آدمی کو منکر قرار دیتا ہے جو اس کے ایسے محکم فیصلے سے خروج کرتا ہے۔ جو فیصلہ ہر قسم کی بھلائی کو گھیرے ہوئے ہے اور ہر قسم کے شر سے بچانے والا اور لوگوں کی خواہشات و آراء اور ان کی شریعت کے مقابلہ میں بے دلیل وضعی اصلاحات سے کہیں زیادہ انصاف پر مبنی ہے۔ یہاں تک کہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو ایسا کام کرتا ہے وہ کافر ہے اس سے اس وقت تک قتال فرض ہے جب تک وہ ہر چھوٹے و بڑے فیصلے میں فقط اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پلٹ نہیں آتا۔ (تفسیر ابن کثیر: 2/107، دار الفکر)

ظاہری حالت پر اعتماد: (الجہاد الاسلامی صفحہ ۶۵۱ تا ۶۵۳ سے اقتباس)

سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

(اَرَاَيْتَ اِنْ لَقِيْتُ رَجُلًا مِنَ الْكُفَّارِ فَقَاتَلَنِیْ فَضَرَبَ اِحْدٰی يَدَیَّ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا ثُمَّ لَاذَ مِنِّی بِشَجَرَةٍ فَقَالَ: " اَسْلَمْتُ لِلّٰهِ "أَفَأَقْتُلُه، يَا رَسُوْلَ اللهِ! بَعْدَ اَنْ قَالَهَا ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :» لَا تَقْتُلْه، « فَقُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللهِ! اِنَّه، قَدْ قَطَعَ يَدَیَّ ثُمَّ قَالَ ذَالِكَ بَعْدَ اَنْ قَطَعَهَا اَفَاَقْتُلُه، ؟ قَالَ :» لَا تَقْتُلُه، فَاِنْ قَتَلْتَه، فَاِنَّه، بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ اَنْ تَقْتُلَه، وَاِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهٖ قَبْلَ اَن يَّقُوْلَ كَلِمَتَهُ الَّتِیْ قَالَ)

صحیح مسلم= كتاب الإيمان : باب تحريم قتل الكافر بعد أن قال : لَا اِلٰهَ اِلَّا الله ، الحديث: 95+صحيح البخاری=كتاب المغازی=باب شهود الملائكة بدرًا ، الحديث: 3794 وكتاب الدِّيَّات فی أوائله، الحديث: 6472

" یہ بتلایئے! اگر میں کسی کافر مرد سے ملوں اور وہ مجھ سے جنگ کرتے ہوئے تلوار کے ساتھ میرا ایک بازو کاٹ ڈالے اور پھر ایک درخت کی پناہ لے کر یہ کہے کہ میں تو اللہ کے لیے اسلام لے آیا ہوں۔ کیا میں اسے قتل کر ڈالوں جبکہ وہ یہ کلمہ کہہ چکا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " اسے قتل نہ کر"۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس نے میرا ایک بازو کاٹ ڈالا ہے اور اس کے بعد یہ کلمہ کہا ہے، کیا میں اس کو قتل کر دوں؟ تو فرمایا: اسے مت قتل کر۔ اگر تو اسے قتل کر دے گا تو وہ تیرے اس مقام پر ہو گا جس پر تو اس کو قتل کرنے سے پہلے تھا اور تو اس کے اس مقام پر ہو گا جس پر وہ یہ کلمہ کہنے سے پہلے تھا۔"

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَصَبَّحْنَا الْحُرُقَاتِ مِنْ جُهَيْنَةَ فَاَدْرَكْتُ رَجُلًا فَقَالَ : لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَطَعَنْتُه، فَوَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ مِنْ ذَالِكَ فَذَكَرْتُهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : »أَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ قَتَلْتَه، «قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! اِنَّمَا قَالَهَا خَوْفًا مِنَ السِّلَاحِ ،قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :» اَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ حَتّٰى تَعْلَمَ "أَقَالَهَا أَمْ لَا" فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا عَلَيَّ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ اَنِّيْ اَسْلَمْتُ يَوْمَئِذٍ)

صحيح مسلم = كتاب الإيمان : باب تحريم قتل الكافر بعد أن قال : لَا اِلٰهَ اِلَّا الله ، الحديث: 96+ صحيح البخاری= لّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُسَامَةَ بن زيد اِلَى الحرقات من جُهينة ، الحديث: 4021

" ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹے جہادی قافلے میں جہاد کے لیے روانہ فرمایا۔ تو ہم نے جہینہ قوم کی ایک شاخ "حرقات" پر صبح کے وقت حملہ کر دیا۔ پھر میں نے ایک آدمی کو جالیا۔ جب میں نے اس پر قابو پالیا تو اس نے کہا: "لَا اِلٰهَ اِلَّا الله"۔ لیکن میں نے اسے اپنا نیزہ مارا اور قتل کر دیا۔ میرے دل میں یہ بات کھٹکنے لگی (کہ کہیں میں نے ایک مسلمان کو تو قتل نہیں کر دیا) میں نے نبی ﷺ سے اس بات کا تذکرہ کیا۔ نبی ﷺ نے (ڈانٹ پلاتے ہوئے) فرمایا: اس نے لا الہ الا اللہ کہا اور تو نے اس کو قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ!) اس نے یہ کلمہ ہتھیاروں کے خوف سے پڑھا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا؟ تاکہ تجھے معلوم ہو جاتا کہ اس نے دل سے کلمہ پڑھا تھا کہ نہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ مسلسل یہ جملہ دہراتے رہے حتی کہ میں نے آرزو کی کہ کاش میں آج سے قبل مسلمان نہ ہوتا" (یعنی آج ہی اسلام لاتا) تاکہ اتنا بڑا گناہ میرے اعمال میں نہ لکھا جاتا۔)

مذکورہ بالا صحیح احادیث اور دعوت الی اللہ کے عنوان کے تحت ذکر کردہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث جن میں جہاد وقتال کا اصل مقصد واضح کیا گیا ہے۔ مثلاً:

﴿اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ..........وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ﴾

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" پڑھ لیں۔ ان کا اندرون خانہ معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔"

..........اس قسم کے دلائل اس بارے میں وضاحت کرتے ہیں کہ اسلامی احکام ظاہری حالت کے مطابق جاری ہوتے ہیں۔ اور اندرونی حالات اور پوشیدہ معاملات کا معاملہ اور حساب اللہ کے ذمے ہے۔ اور ہر کلمہ گو مسلمان کو جب تک وہ اسلامی اصول اور ارکان اسلام میں سے کسی رکن کا انکار نہ کرے تمام اسلامی حقوق اور اسلامی معاشرے کی مراعات حاصل ہوں گی۔ مزید تفصیل

کے لیے ملاحظہ ہو: ۱۔شرح مسلم للنّووی ۲۔معالم السُّنن للخطابی: 3/434-435 ۳۔فتح الباری شرح صحیح البخاری: 160-159/2 ۴۔وتفسیر القرطبی:2/219,216)

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص (عامر بن الاضبط) اپنے ریوڑ کے ساتھ موجود تھا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت اس کے پاس جا پہنچی۔ اس نے جماعت کو "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" کہا(اور کلمہ توحید پڑھا) لیکن مسلمانوں نے اس کو قتل کر دیا(قاتل محلم بن جثامہ تھا)۔ اس کا تمام ریوڑ قبضے میں کر لیا۔ اس موقعہ پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴾﴿النّساء:=4: 94)

" اے ایماندارو! جب تم اللہ کی راہ میں (جہاد کے لیے) سفر کرو تو تحقیق کیا کرو اور جو شخص تم پر "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" کہے (یا کلمہ توحید پڑھے) تو اسے مت کہو کہ تو مومن نہیں ہے۔ تم دنیا کا سازوسامان چاہتے ہو تو اللہ کے پاس بہت زیادہ اموال غنیمت ہیں۔ پہلے تم خود بھی ایسے ہی تھے۔ پھر اللہ نے تم پر احسان کیا۔ (اسلام کو عزت بخشی اور تم مسلمان ہوئے) لہٰذا تحقیق کر لیا کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خبر رکھنے والا ہے۔"

صحیح البخاری= کتاب التّفسیر/ تفسیر سورۃ النِّساء: باب ﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا........﴾(النّساء=4:49) ، الحدیث:4315+ صحیح التِّرمذی = أبواب تفسیر القرآن: باب و من سورۃ النِّساء ، الحدیث: 2426

مندرجہ بالا بحث سے معلوم ہوا:

① جس کافر سے کوئی معاہدہ نہیں ہوا اس کافر کا قتل جائز ہے۔ لیکن اگر کسی طرح اپنے اسلام کا اظہار کرے تو اس کی ظاہری حالت پر اعتماد کرنا واجب ہو گا اور اس کا مال و جان محفوظ ہو جائے گا۔ اس کے بعد قتل کرنے کی صورت میں قتل کی دیت ادا کرنا واجب ہو گی۔ کیونکہ احکام کا تعلق ظاہری حالات کے ساتھ ہے۔ نہ کہ پوشیدہ رازوں اور مخفی باتوں کے ساتھ۔

② ایمان (۱) زبان کے ساتھ اقرار (۲) دل کے ساتھ تصدیق (۳) اعضاء کے ساتھ عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ لیکن تصدیق قلبی کا حال معلوم نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا زبان کے ساتھ اقرار پر اعتماد ضروری ہے۔ (تفسیر القرطبی: 5/ 219,216۔219+ تفسیر ابن کثیر: 1/ 591-593)

③ دل کا اعتقاد اور تصدیق پختہ ہو کر زبان کے ساتھ اقرار صحیح طور پر نہ ہو سکے تو جلد بازی میں کسی جنگی کارروائی کی قطعاً کوئی اجازت نہیں۔ بلکہ تحقیق اور تبیُّن ضروری ہے۔ اس کی دلیل سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے۔ جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ (صحیح البخاری = کتاب المغازی: باب بعث النَّبِیّ صلی اللہ علیہ وسلم خَالِدَ بْنَ الْوَلِیْدِ اِلٰی بَنِیْ جَزِیْمَةَ الحدیث: 484)

ایمان کے لیے مشروط اقوال واعمال:

کچھ اعمال اور اقوال ایمان میں شرط ہیں۔ اگر یہ اقوال واعمال نہ ہوں تو ایمان کالعدم ہو گا جیسے اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر رضامندی، اللہ تعالیٰ کا خوف، شہادتین کا اقرار اس سے ملحقہ وہ اشیاء جنکے بارے میں معروف ہے کہ وہ اصول ایمان میں سے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

① کسی چیز کے اصول ایمان ہونیکے بارے میں صریح دلیل آجائے اور یہ ایسی (چیز) ہو کہ ایمان کی تصحیح اسی پر موقوف ہو، جیسے اللہ تعالیٰ نے توکل کے بارے میں فرمایا: ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ "اور تم اگر مومن ہو تو تمہیں اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیے۔" (المائدۃ: 23) اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

② کسی چیز کے عدم پر حقیقی ایمان کی نفی ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (النساء: 65)

"سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ ﷺ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ﷺ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ اسے قبول کر لیں۔"

③ ایسی چیز کہ جس کے پائے جانے پر ایمان کا پایا جانا موقوف ہو، اس کی مثال نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے:
" تم سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ میں (محمد ﷺ) اس کو اس کے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں" (صحیح بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی، طبرانی و ابو یعلی۔)

④ ایسی چیز جس کے تارک پر یا اس کے برعکس عمل کرنے والے پر کفر اکبر یا (مخلد فی النار) ہمیشہ کے لیے جہنمی ہونے کا حکم لگایا جا سکتا ہو۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ (النساء:150-151)

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ بعض نبیوں (علیہم السلام) پر تو ہمارا ایمان ہے اور بعض پر نہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے اور اس کے بین بین کوئی راہ نکالیں، یقین مانو کہ یہ سب لوگ اصلی کافر ہیں اور کافروں کے لیے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (البقرہ:217)

" اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور اسی کفر کی حالت میں مریں ان کے اعمال دنیوی اور اخروی سب غارت ہو جائیں گے، یہ لوگ جہنمی ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گے۔"

اس مسئلہ میں جو چیزیں قابل مثال ہیں وہ یہ ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر راضی ہونا۔ تمام مسلمان خصوصاً علماء امت اہل السنہ والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلہ پر راضی ہونا یہ ایک ایسی ایمانی بنیاد ہے کہ جس کے بغیر ایمان قابل قبول ہی نہیں۔

دلی یا زبانی طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہ ہونا ایمان کو ضائع کر دیتا ہے۔ اسی طرح علماء اس بات پر متفق ہیں کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کو جاننے کے باوجود اس کو چھوڑ دیتا ہے یا اس سے اعراض کرلیتا ہے تو ایسا آدمی کافر ہے۔ اس کا کوئی بھی عمل قبول نہیں، اور اگر یہ بغیر توبہ کے مر گیا تو ہمیشہ کا جہنمی ہے بہت سے علماء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ (مجموع الفتاوی لابن تیمیہ ج27/524 وج3/267، البدایہ والنھایہ لابن کثیر ج13/119)

⑤ شرک اور کفر اکبر ایسے امور ہیں جو مکمل طور پر ایمان اور عمل کو ضائع کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
"یقیناً آپکی طرف بھی اور آپ ﷺ سے پہلے (کے تمام انبیاء علیہم السلام) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو بلاشبہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور بالیقین تم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور اگر فرضاً یہ (انبیاء) بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے وہ سب اکارت ہو جاتے۔" (الانعام:88)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:
"منکرین ایمان کے اعمال ضائع اور اکارت ہیں اور آخرت میں وہ ہارنے والوں میں سے ہیں۔" (المائدہ:5)

اسی طرح وہ آیات جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مکلف (انسان) جب کفر یا شرک کو اختیار کرے گا تو اس کے تمام عمل ضائع ہو جائیں گے اور وہ دین سے خارج ہو جائے گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کافروں کے اعمال جو ظاہری طور پر صحیح لیکن حقیقت میں معتبر نہیں ہونگے ان کو پراگندہ ذروں کی طرح کر دے گا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
"اور انہوں نے جو جو اعمال کیے تھے ہم نے ان کی طرف بڑھ کر انہیں پراگندہ ذرّوں کی طرح کر دیا۔" (الفرقان:23)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اپنے پالنے والے سے کفر کیا، ان کے اعمال اس راکھ کی مانند ہیں جس پر تیز ہوا آندھی والے دن چلے۔ جو بھی انہوں نے کیا اس میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے یہی دور کی گمراہی ہے۔'' (ابراہیم:18)

یقینا اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔'' (النساء: 84)

⑥ الولاءوالبراء بھی ایمان کے لیے لازمی شرط ہے۔ اس کی مزید تفصیل آگے باب نمبر ۴ میں آرہی ہے۔

نوٹ = آئمہ سلف کے ہاں ایمان کی تعریف مرکب ثنائی یعنی زبان سے اقرار، دل سے تصدیق، اور اعضاء سے عمل کرنا ہے۔ جب کہ عقیدے میں خرابی کا آغاز اصل میں ایمان کی تعریف میں غلطی ہی سے ہوتا ہے اس لیے رائج الوقت عقیدہ مرجئیہ کے متعلق جاننا بہت ضروری ہے۔

عقائد مرجئیہ کی تردید:

مرجیئہ کے مختلف گروہ ہیں ان کے نزدیک صرف شہادتین یعنی (کلمہ طیبہ) کے اقرار کا نام ایمان ہے۔ اور ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی جبکہ مرجیئہ کا یہ عقیدہ کتاب وسنت کی رو سے باطل ہے۔ آئمہ سلف صالحین نے مرجیئہ کے گروہوں کی بہت زیادہ تردید کی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کو ابدی کافر نہیں کہا کیونکہ ان میں علماء اور عابدین بھی شامل ہیں۔ امام زھری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اسلام میں ارجاء سے بڑھ کر کوئی بدعت پیدا نہیں ہوئی۔ ابو کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہمارے نزدیک کوئی بھی خواہش نفس ایسی نہیں جو امت کے لیے ارجاء سے زیادہ خوفناک ہو۔

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"مرجیئہ نے اسلام کو باریک و بوسیدہ کپڑے کی طرح بے سود بنادیا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سلف صالحین اور ائمہ ھدیٰ نے مرجئیہ کی پر زور تردید کی اور ان کو بدعتی کہا اور ان کے بارے میں سخت فیصلے دیے ہیں۔" (مجموع الفتاویٰ: 7/555,507)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا کہ امام حمیدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ سے فرماتے ہوئے سنا کہ اہل سنت تو کہتے ہیں ایمان قول و عمل کا نام ہے اور مرجئیہ کہتے ہیں صرف قول کا نام اور جہمیہ کہتے ہیں صرف معرفت کا نام ہے۔ اور فرمایا کہ مرجئیہ کہتے ہیں اقرار عمل سے کفایت کر جاتا ہے تو جو یہ کہتا ہے وہ تو برباد ہو گیا اور جس نے کہا نیت عمل سے کفایت کر جاتی ہے تو یہ کفر ہے۔ (مجموع الفتاویٰ 7/307-308)

خارجیوں کے عقائد:

مُرجئیہ ایمان کی تعریف میں کمی کرنے والے ہیں اور ان کے نزدیک ایمان مرکب ثنائی یعنی قول یا اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب ہے یہ عمل کو اس میں شامل نہیں کرتے۔

جبکہ خارجی غالی اور زیادتی کرنے والے ہیں جو کہتے ہیں کہ ایمان اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات و منہیات کے مجموعہ کا نام ہے۔ اور جس نے کسی ایک فرض میں بھی کمی کی یا ایک بھی حرام کام کا ارتکاب کیا تو اس نے کفر کیا۔ خارجیوں نے گنہگاروں کو بھی اسلام سے نکال دیا ہے اور اللہ کی وسیع رحمت کو تنگ کر دیا ہے۔ خارجیوں نے تو امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نعوذ باللہ کافر کہہ دیا تھا۔ اور یہ کبیرہ گناہوں مثلاً شراب، زنا، چوری وغیرہ کے مرتکب کو کافر اور ابدی جہنمی کہتے ہیں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور کثیر ائمہ اہل سنت نے مرجیہ و خارجیہ سمیت تمام باطل عقائد پر بڑی تفصیل سے لکھا اور ان کا مدلل ردّ کیا ہے۔ اس اہم و حساس ترین مسئلہ پر اللہ تعالیٰ نے اہلسنت کی حق کی طرف رہنمائی فرمائی کہ وہ ان دونوں گروہوں مرجیئہ کی تفریط اور خارجیوں کی زیادتی کی بجائے اعتدال کی راہ پر ہیں۔

کبیرہ گناہ:

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اہل علم کبیرہ گناہ کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

" ایسا گناہ جس کے ارتکاب پر دنیا میں حد، سخت وعید یا دنیا و آخرت میں لعنت یا غضب کا ذکر ہو یا آخرت میں سخت عذاب کی وعید (دھمکی) ہو کبیرہ گناہ ہے۔ یہ کبیرہ گناہ نماز ادا کرنے، رمضان کے روزے رکھنے، رات کے قیام اور عمرہ کرنے سے معاف نہیں ہوتے بلکہ یہ توبہ و استغفار سے معاف ہوتے ہیں۔ اور اگر گناہ کا تعلق دوسرے لوگوں کے حقوق سے ہو تو توبہ و استغفار کے ساتھ ان کے حقوق کی ادائیگی یا ان سے معافی بھی شرط ہے۔

اور ان کبیرہ گناہوں پر عذاب کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر ہے۔ اگر چاہے تو بخش دے اور جنت میں داخل کر دے اور چاہے تو عذاب دے مگر جہنم کا عذاب اس کو ہمیشہ کے لئے نہیں ہو گا۔ آخر انجام جنت ہو گا۔ انس t بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت میں سے جو لوگ کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوئے ان کے لئے میری شفاعت ہو گی۔" (ترمذی:2435)　　(کبیرہ گناہ ص:45)

ڈاکٹر سید شفیق الرحمن صاحب کی کتاب "کبیرہ گناہ" میں مذکور "بدعت، کہانت اور نجومیت، ریاکاری، تکبر، ترک نماز، کسی مومن کو ناحق قتل کرنا، خودکشی، والدین کی نافرمانی، مسلمانوں کو تکلیف پہنچانا، ناانصافی، وعدہ خلافی، خلیفۃ المسلمین کی بغاوت، چوری، ڈاکہ، ناپ تول میں کمی، خیانت، جھوٹ، سود، شراب، زنا، جوا، فحاشی، حلالہ، کالا خضاب لگانا جیسے کبیرہ گناہوں کی ایک طویل فہرست اور ان پر مدلل تفصیل موجود ہے۔ جس کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

نواقض اسلام اور کبیرہ گناہ میں فرق:

نواقض اسلام دین کی ضد اور منافی امور ہیں۔ یہ ایسے امور ہیں جن کا ارتکاب کرنے والا کلمہ پڑھنے کے باوجود دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اس لئے علماء کرام نے مرتد کے احکام کے ضمن میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ انہیں نواقض اسلام کہتے ہیں۔ جس طرح ہوا کے خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اس طرح نواقض اسلام کے مرتکب کا اسلام ختم ہو جاتا ہے۔ نواقض اسلام میں سب سے پہلا عمل یا قول شرک ہے جس میں شرک کی تمام اقسام شامل ہیں مثلاً توحید ربوبیت، اسماء وصفات اور توحید فی الحکم اس کے

اہم باب ہیں اور دوسرا نواقض" الولاء والبراء" دوستی اور دشمنی بڑا اہم اور بنیادی مسئلہ ہے اس لئے اس کتاب میں یہی دو زیر بحث ہیں۔

کبیرہ گناہ کا مرتکب گنہگار ضرور ہوتا ہے مگر دائرہ اسلام سے خارج اور (کافر) نہیں ہوتا۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بعض لوگوں میں کفر کے ساتھ کچھ ایمان بھی ہوتا ہے اور نبی ﷺ سے بہت سارے گناہوں کے بارے میں منقول ہے کہ وہ کفر ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے مرتکبین میں رائی کے دانہ سے زیادہ ایمان ہوتا ہے اس لیے وہ (مرتکب گناہ) ہمیشہ کا جہنمی نہیں ہو سکتا بلکہ اسے اس کے گناہ کے درجے کا عذاب ملنے کے بعد بالآخر جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے لڑنا کفر ہے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی وغیرھم)

اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

" میرے بعد حالت کفر میں نہ لوٹ جانا کہ تمہارا بعض بعض کی گردن مارنے لگے۔ یعنی تم آپس میں ہی قتال کرنے لگو۔" (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی وغیرھم)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ﴾ (سورۃ الحجرات:9,10)

"اگر ایمان والوں کی جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کروادو اور حق والے کی زیادتی کرنے والے کے خلاف مدد کرو۔"

مذکورہ آیت کریمہ میں ان دونوں لڑنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے مسلمان (مومن) ہی کہا ہے۔ اس لئے یہ آپس میں لڑنے والے لوگ بالکل ہی اسلام سے خارج نہیں ہیں بلکہ ان میں کفریہ خصلت پائی گئی ہے۔ جیسا کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا!

ایک کفر دوسرے کفر سے کم درجہ کا بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اپنے بھائی کو کافر کہا تو ان دونوں میں سے ایک اس کے ساتھ لوٹ آیا یعنی ایک اس کفر کا مستحق ٹھہرے گا۔ (کبیرہ گناہ اور نواقض اسلام:9)

کسی مسلمان کا ناحق قتل:

کسی مسلمان کے قتل کے مسئلہ کو مطلق طور پر غیر کفریہ قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ جو کوئی کسی مسلمان کو اس کے دین کے سبب قتل کرتا ہے تو وہ حقیقی کافروں سے بھی بدتر ہوگا بخلاف اس کے اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کسی دنیاوی معاملہ یا دشمنی کی بنا پر قتل کرتا ہے تو یہ (قاتل) شخص اہل السنہ والجماعت کے نزدیک کافر نہیں ہے اس لئے جب امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا اگر وہ دین اسلام کی وجہ سے اس سے اسی طرح لڑائی کرتا ہے جس طرح عیسائی مسلمان سے پھر تو یہ آدمی کافر سے بھی بدتر ہے اور یہ محارب کافر ان کافروں جیسا ہے جو نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لڑنے والے تھے اور یہ ان کی طرح ہمیشہ کا دوزخی ہے اور اگر اس نے اس کو کسی حرام سبب دشمنی، مال یا جھگڑا کی بناء پر قتل کیا تو یہ کبیرہ گناہ ہے فقط اس کام (قتل) کی وجہ سے اہلسنت کے نزدیک اس کو کافر نہیں کہا جاسکتا ایسے امور پر کفر کا حکم لگانا خوارج کا شیوہ ہے۔ (مجموع فتاوٰی ج7 / 356,353)

مسلمان کا قتل مجبوراً بھی جائز نہیں:

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ اگر کسی کو کسی مسلمان کے قتل پر مجبور کیا جائے تو اس کے لئے اس کا قتل یا اس کی عزت کی پامالی جائز نہیں ہے۔ یہ اپنے اوپر نازل ہونے والی اس مصیبت پر صبر کرے اس کے لئے جائز نہیں کہ اپنی جان بچانے کے لیے کسی اور کی جان لے۔" (تفسیر قرطبی:10 / 183)

مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر مجبور کئے جانے پر بھی جنگ جائز نہیں:

اس بات کا اندازہ لگالیں کہ جس شخص کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے زبردستی میدان کارزار میں لایا گیا ہو اور وہ شخص میدان جنگ میں ایسے لوگوں کے ساتھ اترا ہو جو اسلام کے شعائر اور ارکان سے نکلے ہوئے ہیں، مثلاً زکوۃ روکنے والے

اور اسلام سے پھر جانے والے لوگ یا ان جیسے دیگر لوگ۔ اس بارے میں کوئی شک وشبہ والی بات نہیں کہ فتنہ کے حالات میں اگرچہ کسی شخص کو زبردستی میدان جنگ میں مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لئے لایا گیا ہو پھر بھی ایسے شخص پر واجب اور ضروری ہے کہ وہ شخص جنگ میں حصہ نہ لے خواہ وہ مجاہدین کے ہاتھوں قتل ہو جائے۔ بلکہ قتل ہونا برداشت کرلے۔ یہ بات بالکل ایسے ہے کہ مثلاً کسی مسلمان کو کافر زبردستی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرے۔ ایسی صورت میں اس کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنا شروع کردے۔

اس بات کو اس مثال سے بھی سمجھایا جاسکتا ہے کہ مثلاً ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کو مجبور کرتا ہے کہ تو فلاں بے قصور اور معصوم مسلمان کو قتل کرڈال۔ اس بات پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ مجبور کیے جانے کے باوجود کسی مسلمان شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی بے گناہ مسلمان کو قتل کرڈالے۔ اگرچہ مجبور کرنے والا کتنا ہی مجبور کرے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ مجبور کرنے والا شخص یہ دھمکی دیتا ہے کہ اگر تو اس بے گناہ اور معصوم مسلمان کو قتل نہیں کرے گا تو میں تجھے قتل کرڈالوں گا اس سوال کا جواب یہ ہے کہ پھر بھی اس کو چاہیے کہ خود قتل ہونا برداشت کرلے مگر اپنے معصوم اور بے گناہ مسلمان بھائی کے قتل کے درپے نہ ہو۔ کیونکہ اپنے آپ کو بچاتے ہوئے کسی بے گناہ مسلمان کی جان لے لینا کسی طور پر بھی قرین عقل وانصاف نہیں ہے۔ لہٰذا ایسے مجبور کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ خود قتل ہونے کے خوف سے کسی مسلمان کو قتل کرڈالے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس شخص کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے زبردستی لایا گیا ہو اس کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرے۔ بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے اسلحہ کو ضائع کرڈالے۔ اور اس پر لازم ہے کہ صبر وبرداشت کا مظاہرہ کرے۔ یہاں تک کہ اس کو مظلومیت کی حالت میں قتل کردیا جائے۔ وہ مظلومیت کی حالت میں قتل ہونا برداشت کرلے مگر جنگ میں شرکت نہ کرے۔ (دوستی اور دشمنی ص296,295)

باب نمبر:۲

اللہ تعالیٰ کی عبادت اور طاغوت کا انکار

عبادت کی تعریف:

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

" انسان کمال عاجزی کے ساتھ اللہ کی کمال محبت کو حاصل کرنے کی کوشش کرے تو یہ عبادت ہے اور عبادت ان تمام اقوال و افعال کا نام ہے جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں۔ جیسے دعا، نماز، روزہ، قربانی وغیرہ۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ انسان کے وہ تمام اقوال و افعال جن سے اللہ راضی ہو عبادت کہلاتے ہیں۔ انفرادی و اجتماعی، معاشرت اور سیاست سب عبادت میں شامل ہیں۔"(عقیدہ و منہج ص15,14)

عبادت کے متعلق مزید تفصیل:

یہ ایک ایسا جامع اسم ہے جس کا اطلاق ہر اس قول اور ظاہری یا باطنی عمل پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا محبوب اور پسندیدہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ اس عمل میں اطاعت و فرمانبرداری اور حب الٰہی درجہ کمال کے ساتھ موجود ہو۔ جب بندہ سے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا مطالبہ کیا جائے تو اس سے عبادت کا یہی عمومی مفہوم مراد ہوتا ہے۔ یعنی تمام امور مثلاً رکوع و سجود، خشوع و خضوع، روزہ و حج، نذر و قربانی میں اسی اکیلے کی عبادت کی جائے اسی طرح محبت اور دشمنی، جہاد اور قربانی، خشیت اور توکل، دعا اور رجوع، امید اور اطاعت و فرمانبرداری، فیصلہ ماننا اور فیصلہ کروانا، اس کے علاوہ دوسرے تمام امور جو شرعی طور پر واجب اور مستحب ہیں ان میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہی رجوع کیا جائے۔

عبادات میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار اور طاغوت کا انکار انبیاء اور رسولوں کی بعثت کا بنیادی مقصد رہا ہے۔ کوئی دوسری جزوی ذمہ داری یا مقصد انہیں ان کے اس بنیادی مقصد سے باز نہ رکھ سکا۔ یہی اسلام کا سب سے بڑا رکن ہے جسے رسول علیہ السلام لے کر آئے ہیں۔ یہ ایک ایسا فریضہ ہے جسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج بیت اللہ اور دوسرے فرائض و نوافل سے بھی پہلے پورا کرنا ضروری

ہے۔ جب تک طاغوت کا انکار نہ کر دیا جائے اس وقت تک نہ تو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان مکمل ہوتا ہے، نہ کوئی عمل قبول ہوتا ہے۔ اور نہ ہی انسان کی جان اور مال محفوظ ہو سکتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْهِ الضَّلٰلَةُ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ﴾

''ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا (جو انہیں یہی کہتا تھا) کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو پھر کچھ ایسے لوگ تھے جنہیں اللہ نے ہدایت دے دی اور کچھ ایسے تھے جن پر گمراہی ثابت ہوگئی۔ سو تم زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟'' (النحل:36)

یہ تمام پیغمبروں کی پہلی ذمہ داری تھی اور کوئی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تھا۔ فرمایا:

﴿فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ یُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴾ (البقرہ:256)

''اس لئے جو شخص طاغوت سے کفر کرے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے''

ضروری ہے کہ ایمان کا اظہار کرنے سے پہلے طاغوت کا انکار کیا جائے۔ اگر طاغوت کا انکار کیے بغیر ہی ایمان کا اظہار کر دیا گیا تو ایسا ایمان اس وقت تک فائدہ نہیں دے سکتا جب تک طاغوت کا انکار نہیں کیا جاتا اور شرک سے اجتناب نہیں کیا جاتا۔ ایمان باللہ اور ایمان بالطاغوت دونوں کا کسی ایک آدمی کے دل میں اکٹھا ہونا ممکن نہیں خواہ ایسا ایک لمحے کے لئے ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ دونوں میں سے ایک پر ایمان دوسرے کی نفی کو مستلزم ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے:

ایمان اور کفر دونوں ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجی جانے والی ہر چیز کا انکار کیا اس کا مال اور خون حرام ہے اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔'' (صحیح مسلم:23)

شیخ محمد بن عبد الوھاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین توحید تھا۔ توحید کلمہ لا الہ الا اللہ کی معرفت اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کا نام ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس کلمہ کو سبھی لوگ پڑھتے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ بعض لوگ اسے پڑھنے کے بعد اس کا صرف یہی معنی مراد لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی خالق نہیں، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی رازق نہیں، اس میں اس طرح کے دوسرے بھی کئی معانی شامل ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بالکل ہی اس کلمہ کے معنی اور مفہوم سے ناواقف ہوتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اس کلمہ کے تقاضوں کو پورا کرنے والے نہیں ہوتے۔ بعض وہ ہیں جو اس کلمہ کی حقیقت سے باخبر نہیں ہوتے۔ اس سے زیادہ قابل تعجب وہ ہے جو ایک طرف اس کلمہ کو پہچانتا ہے اور دوسری طرف اس سے اور اس کے ماننے والوں سے دشمنی رکھتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ قابل تعجب وہ ہے جو اس کلمہ سے محبت کرتا ہے اوراس کے ماننے والوں کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے اور اس کے باوجود اس کے دوستوں اور دشمنوں کے درمیان فرق نہیں کرپاتا۔ سبحان اللہ ! کیا ایسا ہے کہ دین میں دو جماعتیں ہوں اور وہ سبھی حق پر ہونے کی دعویدار ہوں۔ اللہ کی قسم ! ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کیونکہ حق کے بعد گمراہی کے علاوہ کچھ نہیں۔" (رسائل شخصیہ للشیخ محمد بن عبد الوھاب) (طاغوت ص8)

اب ہم طاغوت کے متعلق کچھ تفصیل ملاحظہ کرتے ہیں:

طاغوت کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلاً اَنِ اعْبُدُوا اللهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾(النحل: 16/36)

"اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی عبادت سے اجتناب کرو۔"

یہاں طاغوت سے مراد شیطان ہے اور یہ معروف شیطان ابلیس بھی ہے جو لوگوں کو اللہ کی عبادت سے ہٹانے کی باقاعدہ کوشش کرتا ہے۔ اللہ کے مقابلے میں اس نے اپنا ایک پورا نظام کھڑا کیا ہوا ہے۔ اس لئے شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے طاغوت کی تعریف ہی یہ کی ہے کہ " طاغوت ہر وہ چیز ہے جو اللہ کے مقابلے میں ہو"

یعنی ہر وہ چیز جو اللہ کے مقابلے میں مانی جائے، جو اللہ کے مقابلے میں تسلیم کرلی جائے، اس کو ایک قوت اور ایک نظام کے طور پر اللہ کے مقابلے میں مان لیا جائے تو وہ طاغوت ہے۔ طاغوت انسان بھی ہوسکتے ہیں جو اللہ کے مقابلے میں خود رب بن جائیں۔ اللہ کے حکم کے مقابلے میں اپنا حکم تسلیم کرائیں۔ اپنی آمریت قائم کرائیں، اسی طرح اللہ کے نظام اور دین کے مقابلے میں انسانوں کے اپنے بنائے ہوئے نظام بھی طاغوت ہوتے ہیں چاہے وہ جمہوری نظام ہوں، سیکولر نظام ہوں۔ سرمایادارانہ نظام ہوں یا سوشلسٹ اور کیمونسٹ نظام ہوں، جو بھی چیز، انسان یا نظام اللہ کے مقابلے میں آئے گا، وہ طاغوت کہلائے گا۔ اس لئے اللہ نے فرمایا کہ ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی عبادت سے اجتناب کرو۔ اسی طرح اللہ کے نبی ﷺ نے بھی یہی بات بتائی کہ:

''تمام انبیاء علیہم السلام بھائی بھائی ہیں اور ان کا ایک ہی دین ہے۔''

اس آیت اور حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت ایک تھی اور وہ توحید کی دعوت تھی۔ آپ قرآن کا مطالعہ کریں اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے لے کر محمد ﷺ تک تمام چیدہ چیدہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت پیش کی۔ ان سب کی ایک ہی دعوت نظر آئے گی کہ وہ لوگوں کو اللہ کی توحید کی طرف بلاتے رہے۔ اس لحاظ سے ان سب کا دین ایک تھا۔ یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ دین میں شریعتیں تو بدلتی رہی ہیں۔ شریعت کے احکام میں اللہ تعالیٰ تبدیلیاں کرتے رہے ہیں۔ پہلے احکام کو منسوخ کرکے نئے احکام اللہ تعالیٰ دیتے رہے ہیں۔ لیکن دین کی بنیاد شریعت کے ایسے احکام پر نہیں تھی اور نہ ان احکام میں تبدیلیوں کی بنیاد پر تھی۔ دین کی بنیاد اللہ کی توحید پر ہے جو کبھی نہیں بدلی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآىِٕمًۢا بِالْقِسْطِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾ (آل عمران: 3/18-19)

اللہ تعالیٰ، فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عدل کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے۔ اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ خود گواہی دے رہے ہیں، لا الہ الا اللہ کی شہادت خود اللہ تعالیٰ پیش کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے تمام فرشتے اور تمام اہل علم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ فرمایا، اسی کا نام دین ہے۔ یہی اصل اسلام ہے کیونکہ توحید ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جب اس پر انسان کا ایمان پختہ ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ دیگر شرعی امور میں جو بھی احکام لوگوں کو بدل بدل کر دیتا ہے، ان کے لئے ان پر چلنا کوئی مشکل نہیں رہتا۔(عقیدہ و منہج ص17)

دعوت توحید:

عقیدہ توحید اسلام کی اصل بنیاد ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جتنے بھی انبیاء و رسل علیہم السلام مبعوث فرمائے سب کی بنیادی دعوت توحید ہی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾(الانبیاء21:25)

"اور آپ ﷺ سے پہلے جو رسول بھی ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔"

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾(النحل: 36:16)

"ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا اور اس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (کی عبادت) سے بچو۔"

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴾

(البقرہ:2/256)

"جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں"

ان آیات بینات میں اللہ وحدہ،لاشریک نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ اس نے تمام انبیاء اور رسل علیہم السلام کو توحید کی دعوت اور طاغوت سے انکار کے لئے مبعوث کیا۔

توحید کا مفہوم یہ ہے کہ : اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، وہی تمام کائنات کا مالک و مختار ہے، عالم الغیب والشہادۃ، ہر شے کا خالق، رازق، غوث اعظم، فریادرس، گنج بخش، فیض عالم، بندہ پرور، نذر و نیاز، منت منوتی اور سوز و پکار کے لائق، حاجت روا، مشکل کشا، بگڑی بنانے والا، مالک الملک، شہنشاہ، قانون دان، فرمانروا، زندگی و موت کا مالک، نفع و نقصان کا مالک، بے نیاز اور مدبر الامور ہے۔ جب ہر شئ کا خالق و مالک وہ تو عبادت کے لائق بھی وہ اکیلا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کی جائے۔ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کی جائے۔ طواغیت و شیاطین کی عبادت سے انکار کیا جائے۔ (کلمہ گو مشرک ص45)

طاغوت کی تعریف:

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے طاغوت کی جامع تعریف یہ ذکر کی ہے:

﴿ الطاغوت کل ما تجاوز به العبد حده من معبود او متبوع او مطاع فطاغوت کل یوم من یتحاکمون الیه غیر الله و رسوله او یعبدونه من دون الله او یتبعونه علی غیر بصیرة من الله او یطیعونه فیما لا یعلمون انه طاعة لله........... ﴾

" طاغوت ہر وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان اپنی حد سے تجاوز کر جائے خواہ عبادت میں یا اتباع میں یا اطاعت میں ہر قوم کا طاغوت وہی ہے جس کی طرف وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے فیصلہ کے لیے رجوع کرتے ہیں یا اللہ کے سوا اس کی پرستش کرتے ہیں یا بلا دلیل اس کی اتباع کرتے ہیں یا اس کی اطاعت بغیر اس علم کے کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔"

ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اور شیاطین و طاغوت کی عبادت سے اجتناب کا حکم دیا ہے۔ دور حاضر میں ایسے افراد کی کثرت موجود ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اہل قبور کو مشکل کشا، حاجت روا، فتح و شکست کا مالک، اولاد اور روزی رساں سمجھتے ہیں ۔ صوفیا کے مزارات اور آستانوں پر حاضر ہو کر نذریں، نیازیں چڑھاتے ہیں اور ان کی قبور پر سجدہ ریز ہو کر اپنی حاجات پیش کرتے ہیں اور ان کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں اور انبیاء و اولیا اور پیروں فقیروں کو مرادیں پوری

کرنے والا سمجھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان پاکباز ہستیوں کو اللہ تعالیٰ نے غیبی اور اسباب سے بالاتر روحانی قوت تصرف دے رکھی ہے۔ اور یہ بزرگ اس مافوق الفطری قوت کے ذریعے ہماری مشکلات حل کرتے ہیں یا اللہ تعالیٰ سے منوا کر پوری کرا دیتے ہیں اور ایسے وسائط و وسائل کو عقیدے کا جزو سمجھتے ہیں۔ یہ عقیدہ سراسر شرک ہے اور اس کا مرتکب مشرک ہے۔ (کلمہ گو مشرک ص47)

طاغوت کے اصطلاحی مفہوم کے بارے میں سلف صالحین کے اقوال:

① عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ " طاغوت سے مراد شیطان ہے۔" (بخاری، کتاب التفسیر، النساء :43)

② جابر بن رضی اللہ عنہ عبد اللہ فرماتے ہیں کہ: "طاغوت وہ ہوتے ہیں جن کی طرف لوگ فیصلے لے کر جاتے ہیں جہینہ قبیلے میں ایک طاغوت تھا اسلم قبیلے میں ایک طاغوت تھا اور اسی طرح ہر قبیلے میں ایک طاغوت ہوتا ہے یہ کاہن ہوتے ہیں جن پر شیاطین اترتے ہیں۔" (بخاری، کتاب التفسیر، النساء:43)

③ امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: طاغوت صاحب اثر انسانوں کی شکل میں شیطان ہوتے ہیں جن کی طرف لوگ فیصلے لے کر جاتے ہیں۔" (تفسیر ابن کثیر النساء، ابن ابی حاتم 3/994)

④ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: " طاغوت وہ ہوتا ہے کہ جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے۔"
(تفسیر ابن کثیر النساء :50)

⑤ امام ابن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ: طاغوت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک درست قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے خلاف سرکشی کرے اور اسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجا جارہا ہو۔ اس کی پوجا یا تو اس کی زبردستی اور قہر کی وجہ سے کی جاتی ہو جو کہ اسے پوجنے والوں کے دلوں پر چھائی ہوتی ہے یا پوجنے والوں کی طرف سے اطاعت کے جذبہ کے تحت اس کی پوجا کی جارہی ہو۔ یہ معبود خواہ کوئی انسان ہو، شیطان ہو، بت ہو یا دنیا کی کوئی بھی چیز ہو۔" (تفسیر الطبری 3/21)

⑥ شیخ الاسلام ابی العباس احمد بن عبد الحلیم امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ: اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس کی عبادت کی جارہی ہو اور وہ اس پر راضی ہو وہ طاغوت ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں جس کی بات مانی جارہی ہو، اور دین حق اور ہدایت کے راستے کی اتباع کی بجائے جس کی اطاعت کی جارہی ہو ایسا شخص طاغوت کے زمرے میں آتا ہے۔ اسی لئے اس شخص کو بھی طاغوت کہا جاتا ہے جس کے پاس کوئی فیصلہ کروانے کے لئے لایا جائے اور وہ کتاب اللہ کے بغیر ہی فیصلہ کر دے۔" (فتاوی ابن تیمیہ 27/200)

⑦ شیخ الاسلام محمد بن عبد الوھاب رحمۃ اللہ علیہ: طاغوت ایک عام لفظ ہے، ہر وہ چیز یا ذات جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہو اور وہ اس عبادت پر خوش بھی ہو، خواہ وہ معبود ہو یا متبوع اور مطاع، یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر اس کی اطاعت کی جاتی ہو وہ طاغوت کے زمرے میں آتا ہے (مجموعۃ التوحید 9) (طاغوت ص8)

باب نمبر:۳

اسلام کے منافی امور

کلمہ گو مشرک:

جناب مفتی ابو الحسن مبشر احمد ربانی نے اپنی کتاب میں کلمہ گو مشرک پر بڑی تفصیل سے لکھا ہے کہ، جنہوں نے کلمہ پڑھ کر اس کے تقاضے پورے کیے اور کلمہ کا صحیح حق ادا کیا یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید پر پختہ یقین اور شرک کی مکمل نفی کی تو وہ ضرور جنت میں داخل ہوں گے لیکن جس نے کلمہ پڑھ کر بھی شرک کیا تو اس پر جنت حرام ہے۔

صرف لا الہ الا اللہ پڑھ لینا کافی نہیں بلکہ اس کا معانی و مفہوم جاننا بھی ضروری ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا اقرار اور غیر اللہ کی عبادت کا انکار شامل ہے۔ یعنی توحید پر ایمان اور شرک کی نفی ضروری ہے۔

احادیثِ صحیحہ سے واضح ہے کہ لا الہ الا اللہ کی شہادت اسے جانتے اور سمجھتے ہوئے، خلوص دل کے ساتھ دینے والا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنے والا آدمی جنت میں داخل ہو گا اور یہ بھی یاد رہے کہ اسلام کے جتنے بھی احکام ہیں تقریباً ان تمام کی شروط ہیں جن میں سے ایک شرط بھی رہ جائے تو اس عمل کا اعتبار نہیں ہوتا۔ مثلاً نماز کے لئے وضو شرط ہے اگر وضو نہ کیا جائے تو نماز نہیں ہوتی۔ اسی طرح کلمہ شہادت کی کچھ شروط ہیں اگر وہ مفقود ہوں تو کلمے کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ اہل علم نے لا الہ الا اللہ کی سات شروط ذکر کی ہیں:

① انسان اس کا معنی و مفہوم جانے تاکہ پتہ چلے کہ اس سے کن باتوں کی نفی اور کن باتوں کا اثبات ہوتا ہے یعنی اسے معلوم ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

② اس کا کلمہ پر ایسا یقین ہو کہ کسی قسم کا شک باقی نہ رہے۔

③ ایسا اخلاص ہو کہ جو شرک کے منافی ہو۔

④ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا صدق اور سچائی ہو جو منافقت کے منافی ہو۔

⑤ خلوص دل کے ساتھ اللہ بادشاہ، نعمتیں اور فضل عطا کرنے والے کی توحید کے ساتھ ایسی محبت ہو جو اسلام کے کسی بھی رکن کے ساتھ بغض کے منافی ہو۔

⑥ اللہ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے احکام کو انکار اور تردد کے بغیر قبول کرنا۔

⑦ اس کلمہ کے آگے سر تسلیم خم کر دینا اور اس کے تقاضوں کو رضا مندی کے ساتھ قبول کرنا ہے۔ (کلمہ گو مشرک ص107,106)

کسی مسلمان کو کافر کہنا جائز نہیں:

عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

"جس شخص نے کسی آدمی (مسلمان) کو کافر یا اللہ کا دشمن کہہ کر پکارا اور اگر وہ ایسا نہ ہوا تو بات کہنے والے کی طرف لوٹ جائے گی۔" (متفق علیہ)

اسی طرح نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ایک اور فرمان ہے کہ جس نے اپنے کسی بھائی کو کافر کہا تو ان دونوں میں سے ایک اس کے ساتھ لوٹ آیا۔ یعنی ایک پر یہ حکم لگ جائے گا۔ اس لئے اس مسئلہ کو اتنا معمولی نہیں جاننا چاہیئے بلکہ اس میں بہت حساس و محتاط طریق سے فیصلہ کرنا چاہیئے۔

کلمہ پڑھنے والے کے قتل پر نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ڈانٹ:

ایک مرتبہ اسلامی لشکر ایک ایسے آدمی سے ملا جس کے پاس کچھ بکریاں تھیں تو اس نے لشکر والوں کو السلام علیکم کہا یا کلمہ بھی پڑھا تو لشکر والوں میں سے ایک صحابی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے اسے قتل کر دیا اور اس کی بکریاں اپنے قبضے میں لے لیں۔ جب وہ واپس آئے تو نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو یہ معاملہ بتایا گیا آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اس آدمی کے مسلمان ہونے کے باوجود تو نے اس کو قتل کیوں کیا؟ صحابی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

نے کہا کہ اس نے اپنے قتل سے بچتے ہوئے کلمہ پڑھا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا؟ بعد میں آپ ﷺ نے اس مقتول کے ورثاء کو اس کی دیت دی اور بکریاں بھی واپس کر دیں۔ (رواہ صحیح بخاری، احمد، ترمذی، الحاکم)

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب تم اللہ کی راہ میں اپنے دشمنوں سے جہاد کے لیے چلو تو ﴿فتبینوا﴾ جس آدمی کا معاملہ تم پر مشتبہ ہو جائے اس کے قتل سے رک جاؤ۔ تحقیق کر لو کیونکہ تم اس کے کفر و اسلام کی حقیقت کو نہیں جانتے اس کے بارے میں جلدی نہ کرو کہیں تم ایسے شخص کو قتل نہ کر دینا جس کا معاملہ تم پر خلط ملط ہو جائے۔ اور صرف اسی کے قتل پر اقدام کرو جس کے بارے میں تمہیں معلوم ہے کہ یہ تم سے، اللہ اور رسول ﷺ سے جنگ کرنے والا ہے۔ اور جو آدمی تمہارے سامنے اسلام قبول کر لے اور یہ ظاہر کرتے ہوئے اپنے ہاتھ کو روک لے کہ وہ تمہارے عقیدہ و ایمان پر ہے تو اس کو مت کہو تم مسلمان نہیں ہو اور اسے قتل نہ کرو۔ تم دنیا کا مال متاع چاہتے ہو۔ اللہ کے ہاں بیشمار نعمتیں ہیں اس کا رزق اور مزید نعمتیں اگر تم اللہ کی اطاعت کرو تو تمہارے لئے بہت بہتر ہے وہ تمھاری اطاعت پر تمھیں بہت زیادہ اجر دے گا اس اجر و ثواب کو تلاش کرو جو اللہ کے ہاں ہے۔ ﴿کذلك کنتم من قبل﴾

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس طرح یہ تمہیں سلام کہنے والا ہے جس کو تم نے یہ کہہ دیا ہے تو مومن نہیں اور قتل کر دیا اس سے پہلے تم بھی اسی طرح تھے۔ یعنی جب تک اللہ نے اپنے متبعین و ناصرین کے ساتھ دین اسلام کو عزت نہیں دی تھی تم بھی اسی طرح اپنے دین کو چھپاتے تھے جس طرح اس نے چھپایا ہے کہ جس کو تم نے قتل کر دیا۔ اور تم نے اس کے دین کے باوجود اس کی قوم سے اس کے مال کو چھین لیا یہ کہتے ہوئے کہ اس نے اپنے آپ کو بچانے کے لیے اسلام کا اظہار کیا ہے۔

کیا تکفیر اللہ کا حکم ہے؟

غور طلب بات یہ ہے کہ کسی کافر کو بھی کافر کہنا یا سمجھنا درست ہے کہ نہیں جیسا کہ بہت سے علمائے اہل السنۃ فرماتے ہیں کہ جس نے مشرکوں کو کافر نہیں سمجھا یا ان کے کافر ہونے میں شک کیا یا ان کے مذہب کو صحیح سمجھا تو اس شخص نے کفر کا ارتکاب کیا۔ اسلام میں داخل ہونے کے لئے سب سے پہلی شرط اقرار و تصدیق کلمہ طیبہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار بعد میں ہے پہلے اللہ کے علاوہ تمام قسم کے معبودوں اور طاغوتوں کا انکار ہے۔ پہلے تکفیر و براءت ہے اور پھر سمع و اطاعت اور ولایت ہے۔ پہلے اللہ

اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غیروں سے براءت و کفر اور عداوت و نفرت کا اظہار ہے اور پھر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تمام محبتیں و اطاعتیں ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

- "تمہارے لئے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھی بہترین نمونہ ہیں جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ ہم تم سے اور اللہ کے علاوہ تمہارے معبودوں سے براءت کا اعلان کرتے ہیں۔ ہم تمہارے عمل کا انکار (کفر) کرتے ہیں۔ ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت و نفرت شروع ہو گئی ہمیشہ کے لئے جب تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان نہ لے آؤ۔"(الممتحنۃ: 4)

- "جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (دین) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔"(المائدہ:44)

- "کہہ دواے کافرو! میں تمہارے معبودوں کی عبادت نہیں کرتا۔" (الکافرون:2,1)

دیکھا جائے تو قرآن و سنت میں تکفیر پر سینکڑوں نصوص موجود ہیں اور قرآن و احادیث میں کئی مقامات پر کلمہ (کفر) مستعمل ہے۔ اسلام کی بنیادی تعلیمات و عقائد اور قرآن مجید کے پہلے رکوع سے لے کر اختتام کلام اللہ تک کتنی ہی بار لفظ ﴿کَفَرَ، کَافِرُوْنَ، کَفَرُوْا، یَکْفُرُوْنَ، تَکْفُرُوْنَ، لِمَ تَکْفُرُوْنَ، ھُمُ الْکَافِرُوْنَ، اَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ﴾ وغیرہ موجود ہے۔

گویا تکفیر اللہ کا حکم اور شریعت کا حصہ بھی ہے جبکہ تکفیر میں غلو کرنا امت کے لئے نقصان دہ اور قابل مذمت ہے۔

تکفیر میں غلو اور عدم تکفیر کی مہم:

مطلقاً یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اسلام میں تکفیر ہے ہی نہیں لہٰذا" اپنا مسلک چھوڑو نہ اور دوسرے کا چھیڑو نہ" کا مصداق بن کر جاہلیت کی چادر اوڑھے رکھو۔۔ ایسا کہنا اسلامی عقائد و تعلیمات کے سراسر منافی ہے۔ کیونکہ قرآن و سنت کی نصوص و دلائل کے ساتھ کفر اور اسلام میں فرق واضح کر دیا گیا ہے۔ جس کی بنیاد پر کفر کو اسلام کسی صورت نہیں کہا جاسکتا۔

خوارج اور مرتدین کی تکفیر میں فرق:

خوارج اور مرتدین کی تکفیر میں بہت فرق ہے جیسا کہ اہل خوارج کی باطل تکفیر یہ تھی کہ انہوں نے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت کئی صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی نعوذ باللہ کافر قرار دیا۔ اور اس کے علاوہ عقائد و ایمان کی تعریف میں تحریف کرتے ہوئے ہر کبیرہ گناہ کے مرتکب معاصی کی تکفیر کی تو بلاشبہ خارجیوں نے تکفیر میں غلو کیا۔ دین میں نئے نئے فتنے و فساد کھڑے کیے تو امت مسلمہ میں موجود علماء حقہ و آئمہ اہل السنۃ والجماعت نے خوارج کے اس طرز عمل اور ان کے باطل عقائد و نظریات تکفیر کی پر زور مذمت کی۔ قرآن و حدیث کی رو سے ان کے من گھڑت عقائد و تاویلات کا رد کیا اور ملت اسلامیہ کی دین حقہ کی طرف واضح رہنمائی کرتے ہوئے عقائد اسلام کی نصوص و اصول سمجھائے۔

کبار ائمہ سلف صالحین نے جہاں خارجیوں کے باطل عقیدۂ تکفیر کی تردید کی وہاں مرتدین اور اہل کفر کی تکفیر بھی بڑے واضح انداز میں بیان کی ہے۔ یعنی ایک تکفیر تو وہ تھی جو خارجیوں نے اہل ایمان و اصحاب رضی اللہ عنہ الجنت کی کی، جو بلاشبہ غلو و باطل تھی اور اب ایک تکفیر یہ ہے کہ جس میں عالمی ائمۃ الکفر کے ہم نوالہ و ہم پیالہ حکمرانوں، ملت اسلامیہ کے خلاف بر سرپیکار کفار و طاغوتوں اور ان کے حواریوں کی تکفیر کی جاتی ہے۔ خارجیوں والی تکفیر اور مرتدین کی تکفیر میں تو بہت واضح فرق ہے۔ لیکن پتہ نہیں کیوں آج علماء دین اس فرق کو بیان کیے بغیر اہل توحید مجاہدین اسلام کے خلاف الزام تراشتے ہیں کہ یہ بھی خارجی ہیں کیونکہ یہ ان مرتدین کی تکفیر کرتے ہیں۔ جبکہ یہ لوگ تو کلمہ گو ہیں۔ حالانکہ ائمہ سلف کی بیان کردہ ایمان کی تعریف کے مطابق بھی یہ لوگ کسی صورت مسلمان ثابت نہیں ہوتے۔

امام ابن کثیر، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہما جیسے جلیل القدر علماء اہل سنت نے قرآن و حدیث کی نصوص و دلائل سے ان طاغوتوں اور ان کے حواریوں کی تکفیر کی ہے۔ کہ جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق حکم نہ چلائیں کافر ہیں اور جو مسلمانوں کے خلاف کفار کا ساتھ دیں مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں یا شہید کریں وہ کافر ہیں۔ یعنی توحید فی الحکم اور عقیدہ الولاء والبراء اگر نہیں تو سمجھو کوئی ایمان و اسلام نہیں۔ اگر موجودہ علماء کی حیلہ سازیاں دیکھیں کہ یہ کلمہ گو ہیں تو ان کبار ائمہ دین کی توضیحات کا کیا جواب بنتا ہے۔ کہ جن کو پڑھ اور سمجھ کر موحّد مجاہدین دنیائے کفر سے نبرد آزما ہیں جن کے قول و عمل اس بات کے عکاس ہیں کہ جب ہم نے کلمہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پڑھ لیا تو یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم ائمۃ الکفر سے کمپرومائز کریں طواغیت کے تحتَ الظُّلم زندگیاں گزاریں۔ یہاں تک ہمارا بس ہے ہم اعلائے کلمۃ اللہ اور نفاذ اسلام کے لئے لڑیں گے۔ یہ مجاہدین اسلام تو انہی ائمہ سلف صالحین کی تشریحات کی

روشنی میں اپنی زندگیاں اللہ کے سپرد کئے ہوئے ہیں تو ان کی بے جا مخالفت اور اپنے بے محل دفاع کے رنگ میں کہیں ان درباری مولویوں کے ملفوظات ائمہ سلف صالحین کی توضیحات و تشریحات سے باہم متعارض تو نہیں ہوتے۔ اور ان کے بقول کہ اسلام میں تکفیر ہے ہی نہیں تو پھر ان کبار علماء سلف و ائمہ اہل السنۃ والجماعت کے متعلق کیا کہیں گے کہ وہ مذکورہ تکفیر کے باعث اہل تکفیر ٹھہرے یا اہل ایمان ہی تھے۔ جب کہ ان ائمہ میں امام ابن تیمیہ، امام ابن کثیر، امام محمد بن عبد الوہاب جیسے ائمہ شامل ہیں۔

تکفیر کا مقصد فتنہ و فساد نہیں:

واضح رہے کہ مسئلہ تکفیر بیان کرنے کا مقصد فتنہ و فساد کا باعث بننا نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ جو جس لائق ہے اس کے متعلق علماء کو صحیح دلائل کے ساتھ وہی فیصلہ دینا چاہئے۔ مسئلہ تکفیر حقیقتاً بہت حساس ہے اس لیے اس سے متعلق احادیث مبارکہ اور کچھ اہم واقعات وضاحت سے بیان کر دیئے ہیں۔ جن کا مزید ذکر آگے آئے گا۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ جو منہ اٹھائے کسی کو کافر کہہ دے اور جو چاہے کسی کو خارجی قرار دے دے افراط و تفریط کی بجائے اعتدال اور میانہ روی سے حقائق کو تسلیم کرنا چاہئے۔ دیگر ملکوں کی طرح پاکستان میں بھی حکومتی اداروں کا سیاسی و مذہبی تحریکوں و جماعتوں میں خاصا عمل دخل اور کنٹرول ہے۔ جب ان اداروں کو ضرورت تھی تو لوگوں نے کافر کافر کے نعرے بھی کھلے عام لگانے شروع کر دیئے تھے۔ جس میں ”کافر کافر شیعہ کافر جو نہ مانے وہ بھی کافر“ یہ نعرہ بڑے زور شور سے زبان زد عام تھا۔ اور جب اس سے اِن کنٹرولنگ اداروں کے مقاصد پورے ہو گئے تو اس نعرے والوں کی ہر طرف سے صفائی کر دی گئی۔

شاید اسی لیے آج کچھ جماعتیں اپنے کارکنوں اور زیر اثر جوانوں کو مسئلہ تکفیر کا رد کرتے ہوئے روشن خیالی، بین المذاہب ہم آہنگی وغیرہ کا پرچار کرتے ہوئے دکھائی دیتی ہیں۔ لہٰذا بڑے زور و شور سے تکفیر کی تردید اور عدم تکفیر والے اسلام کا پرچار شروع ہو گیا ہے۔ خدشہ ہے کہ اس مرجئیت اور عدم تکفیر سے بات چلتے چلتے عدم توحید پر ہی نہ چلی جائے۔ جو کہ صاف نظر آرہا ہے۔

عقیدہ اسلام کے منافی امور:

ہر مسلمان بھائی کو یہ بات جاننی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام بندوں پر یہ واجب قرار دیا گیا ہے کہ وہ دین اسلام کو اپنائیں اور مضبوطی سے اس پر قائم رہیں اور اس کی مخالف چیزوں سے ڈرتے اور ان سے بچتے رہیں۔ اسی بات کی دعوت دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ جس نے آپ ﷺ کی پیروی کی وہ ہدایت یافتہ ہے اور جس نے اس (اطاعت) سے منہ موڑا تو وہ گمراہ ہوا۔ بہت سی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ارتداد کی طرف لے جانے والی چیزوں اور شرک وکفر کی دیگر قسموں سے آگاہ فرمایا ہے۔ علمائے کرام نے مرتد کے احکام کے ضمن میں بتایا ہے کہ اسلام کی ضد اور منافی بہت سے ایسے امور ہیں جن کا ارتکاب کر کے ایک مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور اس کے جان ومال کی حرمت ختم ہو جاتی ہے۔ ان منافی اسلام امور میں دس بہت زیادہ خطرناک اور کثیر الوقوع ہیں یہاں ان کو مختصراً معمولی توضیحات کے ساتھ اور عام فہم انداز میں بیان کیا جاتا ہے، تاکہ اللہ کے نیک بندے خود بھی ان سے بچتے رہیں اور دوسروں کو بھی ان سے ڈراتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ارتکاب سے ہمیں اپنی حفاظت اور امان میں رکھے۔ (آمین)

❁ اول: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرانا:

اسلام کے منافی چیزوں میں پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شرک کرنا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النساء: 4/48)

"اللہ کریم بس شرک ہی کو معاف نہیں کرتا اس کے ماسوا دوسرے جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لئے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔"

❁ دوم: خالق تک پہنچنے کے لئے مخلوق کے واسطے پکڑنا:

جس نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کچھ واسطے بنا لئے اور ان سے دعائیں مانگیں اور ان سے شفاعت طلب کی اور اسی پر بھروسہ کیا تو بالاجماع کفر کا ارتکاب کیا۔

❁ سوم: مشرکوں کے مذہب کو صحیح جاننا:

جس نے مشرکوں کو کافر نہیں سمجھا یا ان کے کافر ہونے میں شک کیا یا ان کے مذہب کو صحیح سمجھا تو اس شخص نے کفر کا ارتکاب کیا۔

- چہارم: نبی ﷺ کے طریقہ کے علاوہ کسی اور کا طریقہ بہتر سمجھنا:

- پنجم: اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ چیز یا حکم کو ناپسند کرنا:

- ششم: دین کی کسی چیز کا مذاق اڑانا:

"جس نے رسول اللہ ﷺ کے دین کی کسی چیز کا یا اس کی جزا و سزا کا مذاق اڑایا اس نے کفر کا ارتکاب کیا، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔" اے نبی ﷺ کہہ دیجئے کہ کیا تم لوگ اللہ، اس کی (نازل کردہ) آیتوں اور اس کے رسول ﷺ کا مذاق اڑایا کرتے تھے؟ اب عذر اور بہانے نہ بیان کرو تم لوگ تو ایمان کے بعد کافر ہو گئے"۔ (التوبہ: 9/65,66)

- ہفتم: جادو کیا یا اسے پسند کیا:

- ہشتم: مسلمانوں کے خلاف کافروں کی مدد کرنا:

مسلمانوں کے خلاف مشرکوں سے تعاون کرنا اور ان کو مدد بہم پہنچانا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (المائدہ: 5/51)

" اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی انہی میں ہے یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی راہنمائی سے محروم کر دیتا ہے۔"

- نہم: مخصوص افراد کو شریعت کی پابندی سے آزاد جاننا:

- دہم: دین اسلام سے بے رغبتی اور بے پروائی اختیار کرنا:

یہ تمام امور اسلام کی ضد اور منافی ہیں۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ کوئی شخص ان کا ارتکاب مذاقاً کرتا ہے یا سنجیدہ ہو کر۔ سوائے اس شخص کے جو اضطرار کی حد تک اس پر مجبور کر دیا گیا ہو۔ یہ سب امور انتہائی خطرناک ہیں۔ پھر بھی بسا اوقات لوگ ان کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں لہٰذا ہر مسلمان کو اپنے حق میں ان چیزوں سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہیے۔

چوتھی قسم میں وہ شخص داخل ہے جس نے یہ سمجھا کہ انسان کے خود ساختہ نظام اور قوانین شریعت اسلامی سے بہتر ہیں یا یہ عقیدہ رکھا کہ اسلامی شریعت اس بیسویں صدی کے لئے موزوں نہیں ہے یا اس کو مسلمانوں کی پستی کا سبب سمجھتا ہو یا اس کو بندہ اور رب کے درمیان شخصی تعلق تک محدود تصور کرتا ہو۔ بغیر اس کے کہ دنیا کے دوسرے معاملات میں اس کا کوئی عمل دخل ہو۔ نیز اسی چوتھی قسم میں وہ بھی داخل ہے جس نے یہ سمجھا کہ چور کا ہاتھ کاٹنا اور شادی شدہ زناکار کو سنگسار کرنے کا خدائی قانون عصر حاضر کے لئے مناسب نہیں ہے۔ اور ہر وہ شخص اس میں داخل ہے جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ معاملات اور تعزیرات میں اللہ کی شریعت کے علاوہ کسی اور نظام یا قانون کے ذریعہ سے فیصلہ کرنا جائز ہے۔ اگرچہ وہ یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو کہ وہ نظام شریعت سے بہتر ہے تو بالاجماع وہ بندہ کافر ہے۔ (حسن عقیدہ 114)

یہی وہ عظیم اسلامی عقیدہ ہے کہ جس میں اللہ کی توحید اور تمام اعمال اسی کے لئے خلوص کے ساتھ کرنا، اور اس کے رسول جناب محمد ﷺ کے برحق رسول ہونے پر ایمان رکھنا، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کے واجب ہونے پر ایمان رکھنے کے ساتھ تمام انبیاء کرام علیہم السلام ورسولوں پر ایمان رکھنا اور اللہ اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور اچھی بری تقدیر پر ایمان رکھنا اور ان تمام چیزوں پر یقین رکھنا جن کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے خبر دی ہے۔

اسی اسلامی عقیدے میں بعض لوگوں کی طرف سے کچھ خرابیاں اور غلطیاں واقع ہوئیں جو اسے ختم کر دیتی ہیں جن کا یہاں بیان کر دینا ہم ضروری سمجھتے ہیں۔

خرابیاں دو قسم کی ہیں:

ایک قسم تو ایسی ہے جو اس عقیدے کو برباد اور ختم کر دیتی ہے جس کا مرتکب، نعوذ باللہ کافر ہو جاتا ہے۔

اور دوسری قسم وہ ہے جو اس عقیدے میں کمی اور کمزوری کر دیتی ہے۔ تو پہلی قسم کا نام ناقض اسلام ہے اور یہ وہی ہے جو عقیدے کو باطل وبرباد کر دیتی ہے، جس کا مرتکب انسان کافر اور اسلام سے مرتد ہو جاتا ہے، اس کا نام ناقض ہے اور مفسد بھی۔

پہلی قسم:

کافر بنا دینے والی خرابیاں

نواقض اسلام وہی ہیں جو مرتد ہو جانے کا سبب بن جاتے ہوں، انہی کا نام نواقض ہے اور ناقض، قول و فعل بھی ہو سکتا ہے اور اعتقاد و شک بھی۔

انسان کبھی کسی بات کے کہنے سے یا کسی کام کے کرنے، یا کسی چیز کا اعتقاد رکھنے، یا کسی چیز میں شک ہو جانے سے مرتد ہو جاتا ہے۔ ان تمام چاروں چیزوں سے وہ ناقض پیدا ہوتا ہے جو عقیدے میں گڑبڑ پیدا کرتا ہے، اور اسے باطل کر دیتا ہے، جسے علماء کرام نے اپنی کتابوں میں (باب حکم المرتد) کے نام سے ذکر کیا ہے۔ علماء کے مذاہب میں سے ہر مذہب اور فقہاء میں سے جس نے کتابیں لکھیں اکثر و بیشتر حدود کے بیان کے وقت مرتد کے احکام ذکر کرتے ہیں اور مرتد وہی ہے جو اسلام لانے کے بعد کافر ہو جائے، یعنی وہ اللہ کے دین سے پھر گیا اور اس سے منہ پھیر لیا۔ جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"جو اپنا دین بدلے اسے قتل کر دو"

صحیح بخاری و مسلم میں ہے:

"نبی ﷺ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا پھر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ان کے پیچھے بھیجا۔ جب وہ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا "تشریف رکھیے" اور گاؤ تکیہ ان کے لئے لگا دیا، تو دیکھتے ہیں کہ ان کے پاس ایک آدمی بندھا ہوا ہے انہوں نے پوچھا" یہ کیا ہے؟" جواب دیا کہ "یہ یہودی تھا اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو گیا ہے اور دوبارہ یہودی ہو گیا" انہوں نے کہا جب تک یہ قتل نہیں کیا جاتا میں بیٹھوں گا نہیں جو اللہ اور رسول ﷺ کا فیصلہ ہے" ابو موسیٰ ﷺ نے فرمایا تشریف رکھیے ایسا ہی ہو گا۔ تو جواب میں انہوں نے تین بار اپنا قول دہرایا اس پر ابو موسیٰ ﷺ نے قتل کا حکم دیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔

اس سے پتہ چلا کہ اسلام سے مرتد ہونے والا جب توبہ نہ کرے تو قتل کر دیا جائے گا، اور توبہ کرائے جانے کی صورت میں اگر توبہ کر لیتا ہے اور اسلام قبول کر لیتا ہے تو الحمد للہ۔ (اسے کچھ نہیں کہا جائے گا) اور اگر اسلام کی طرف لوٹ کر نہیں آتا اور اپنے

کفر وضلالت پر جمارہتا ہے۔ تو قتل کر دیا جائے گا اور جلد اسے جہنم رسید کر دیا جائے گا۔ اس لئے رسول ﷺ کا فرمان ہے: "جو اپنا دین بدلے اسے قتل کر دو"

(۱) قول کے سبب مرتد ہونا (ارتداد قولی):

نواقض اسلام بہت ہیں، انہی میں سے ایک ارتداد قولی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کو گالی دینا، یہ دین اسلام کے منافی بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو گالی دینا یعنی لعنت و ملامت کرنا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو گالی دینا یا عیب لگانا، جیسے کسی انسان کا کہنا (نعوذ باللہ) یہ کہ اللہ ظالم ہے، اللہ بخیل ہے، اللہ فقیر و محتاج ہے، اللہ کو بعض معاملات کا علم نہیں ہے یا بعض کاموں پر قدرت نہیں رکھتا ہے۔ تو یہ سب باتیں اسلام سے مرتد کرنے والی ہیں۔ جس کسی نے اللہ تعالیٰ کی ذات صفات میں کسی قسم کا نقص نکالا، عیب دار ٹھہرایا یا گالی گلوچ کی تو وہ کافر اور اسلام سے مرتد ہے۔

جب کوئی انسان اللہ کو گالی دے یا اس کا مذاق اڑائے یا اس میں نقص نکالے یا اسے کسی ایسی چیز سے متصف کرے جو اس کے شایان شان نہیں ہے جیسے یہودیوں کا کہنا" اللہ بخیل ہے اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں" اور ایسے ہی کوئی کہے کہ " اللہ بعض چیزیں نہیں جانتا ہے یا کچھ کاموں پر قدرت نہیں رکھتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرے، اس پر ایمان نہ لائے........... تو ایسا انسان اپنی بری باتوں کی وجہ سے مرتد ہو جائے گا۔

یا جیسے یہ کہے کہ اللہ نے ہمارے اوپر نماز فرض نہیں کی ہے تو یہ اسلام سے مرتد ہو جاتا ہے، جس نے کہا کہ اللہ نے نماز واجب نہیں کی ہے تو وہ تمام مسلمانوں کے اجماع کے ساتھ اسلام سے مرتد و خارج ہو جائے گا۔ ہاں اگر وہ جاہل و نادان ہے، مسلم معاشرے سے دور ہے، ان مسائل عقیدہ کا علم نہیں رکھتا ہے تو اسے ان مسائل کے متعلق بتلایا جائے گا، اس کے باوجود اگر وہ اصرار کرتا ہے تو کافر ہو جائے گا۔ لیکن جب وہ مسلمانوں کے درمیان رہتا ہو اور دینی امور سے واقف ہو، ایسی صورت میں اگر کہے گا کہ نماز واجب (فرض) نہیں ہے، تو یہ ارتداد ہے، توبہ کرلے تو ٹھیک ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔

یا کہے کہ زکوٰۃ لوگوں پر واجب نہیں ہے، یا کہے ماہ رمضان کے روزے واجب نہیں ہیں، یا حج استطاعت کے باوجود واجب نہیں ہے۔ جس کسی نے بھی اس طرح کی باتیں کیں وہ اجماعاً کافر ہو جائے گا، اس سے توبہ کرائی جائے گی اگر کر لے تو ٹھیک ہے ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔ نعوذ باللہ۔

(۲) ارتداد فعلی:

فعلی ارتداد جیسے نماز چھوڑنا، کسی مسلمان کا نماز نہ پڑھنا، اگرچہ وہ کہتا ہو کہ نماز واجب ہے لیکن پڑھتا نہیں، تو یہ علمائے کرام کے صحیح قول کے اعتبار سے ارتداد ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

" وہ عہد و پیماں جو ہمارے اور کافروں کے درمیان ہے نماز ہے جس نے اسے چھوڑ دیا تو وہ کافر ہو گیا"۔ اور فرمایا کہ "مسلمان آدمی اور کفر و شرک (یعنی کافروں اور مشرکوں) کے درمیان نماز چھوڑنے کا فرق ہے"۔

جلیل القدر تابعی شقیق بن عبد اللہ العقیلی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سوائے نماز کے کسی عمل کے چھوڑنے کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔"

یہ ارتداد فعلی ہے یعنی نماز جان بوجھ کر ترک کرنا۔ اور اسی میں سے یہ بھی ہے کہ اگر کوئی قرآن کو حقیر سمجھتا ہے، اور اسے حقیر و ذلیل سمجھتے ہوئے اس پر بیٹھ جائے، یا جان بوجھ کر اسے گندگی سے لت پت کرے، یا اسے اپنے قدموں کے ساتھ حقیر جانتے ہوئے روندے، تو ایسا انسان اس وجہ سے اسلام سے مرتد ہو جائے گا۔ ارتداد فعلی میں سے صاحب قبر (مردے) سے تقرب حاصل کرنے کی غرض سے قبروں کا طواف کرنا، ان کے لئے یا جنوں کے لئے نماز پڑھنا، یہ اتداد فعلی ہے۔ رہا ان کو پکارنا، ان سے مدد طلب کرنا، ان کے لئے نذر ماننا تو یہ ارتداد قولی ہے۔

غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا، ذبیحوں سے غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنا، کفر فعلی ہے۔ جیسے اونٹ، بکرے، مرغے یا گائے قبر والوں یا جنوں یا ستاروں سے تقرب حاصل کرنے کی غرض سے بطور عبادت ذبح کرے، تو یہ سارے ذبیحے غیر اللہ کے لئے ہوں گے، مردار کے حکم میں ہوں گے اور یہ فعل کفر اکبر میں شمار ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے عافیت میں رکھے۔ یہ تمام چیزیں ارتداد کی قسمیں ہیں اور اسلام کے منافی افعال ہیں۔

(۳)ارتداد اعتقادی:

اعتقادی ارتداد، ارتداد کی اقسام میں سے وہ ہے جس کا دل سے اعتقاد رکھے اگرچہ زبان سے نہ کہے اور نہ ہی کرے بلکہ اپنے دل سے اعتقاد رکھے، جیسے دل سے اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے، یا وہ بخیل ہے یا ظالم ہے، اگرچہ اسے زبان سے نہ کہے اور نہ ہی کرے۔ تو ایسا شخص امت مسلمہ کے اجماع کے ساتھ صرف اس عقیدے کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔ یا دل سے یہ اعتقاد رکھے کہ بعث و نشور (پیدا ہونا اور مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھایا جانا) کوئی چیز نہیں، اور جو کچھ اس سلسلے میں وارد ہوا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں، یا یہ اعتقاد رکھے کہ جنت و جہنم کا وجود نہیں، اور نہ ہی کوئی دوسری زندگی ہے، تو ایسا اعتقاد رکھنا ہی کفر اور اسلام سے ارتداد ہے۔ اگرچہ زبان سے نہ کہے۔ نعوذ باللہ۔ اس عقیدے کے سبب سے تمام اعمال باطل ہو جاتے ہیں، اور ایسے انسان کا ٹھکانہ جہنم ہو گا۔

ایسے ہی یہ عقیدہ رکھے اگرچہ زبان سے نہ کہے۔ کہ محمد ﷺ سچے نبی نہیں ہیں یا آپ ﷺ آخری نبی نہیں ہیں، آپ کے بعد دوسرے (ظلی، بروزی، تشریعی اور امتی) انبیاء آئیں گے۔ یا یہ اعتقاد رکھے کہ مسیلمہ کذاب سچا نبی ہے، تو اس کی وجہ سے وہ کافر ہو جائے گا۔ یا دل سے یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت نوح، موسیٰ، عیسیٰ یا دیگر تمام انبیاء (علیہم السلام) جھوٹے ہیں یا ان میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، تو یہ اسلام سے مرتد ہو جائے گا۔

- اس لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”یہ سب اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے اور اس کے سوا جسے یہ پکارتے ہیں وہ باطل ہے۔“
- مزید فرمایا: ”تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ بہت رحم کرنے والا اور بڑا مہربان ہے“
- اور فرمایا: ”ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔“
- اور فرمایا” اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا۔“

۞ اور مزید فرمایا: "یقیناً تیری طرف بھی اور تجھ سے پہلے کے تمام نبیوں کی طرف بھی وحی کی گئی کہ اگر تو نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین تو زیاں کاروں میں سے ہو جائے گا۔"

اس مفہوم کی اور بھی بہت ساری آیتیں ہیں۔

تو جس نے بھی یہ اعتقاد رکھا کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کی خواہ وہ فرشتہ ہو، نبی ہو یا درخت، جن وغیرہ ہو، عبادت ہو سکتی ہے، تو وہ کافر ہو گا۔ اور جب اسے زبان سے بھی کہہ دے تو قول واعتقاد دونوں سے کافر ہو جائے گا۔ اور اگر کر گزرے اور غیر اللہ کو پکارے اور ان سے فریاد رسی کرے تو قول، فعل اور اعتقاد سب کے لحاظ سے کافر ہو جائے گا۔ ہم اللہ سے عافیت چاہتے ہیں۔

آج جو اکثر ملکوں میں قبروں کے پجاری مردوں کو پکارتے اور ان سے فریاد رسی کرتے اور ان سے مدد طلب کرتے ہیں، یہ سب اسی میں داخل ہیں۔

شک سے مرتد ہونا:

اعتقادی، عملی و قولی ارتداد کا بیان تو ہو چکا ہے رہا شک سے مرتد ہونے کا بیان، تو مثال کے طور پر جیسے کوئی کہے کہ میں نہیں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حق ہے کہ نہیں۔ مجھے شک ہے تو یہ کفر شکی میں مبتلا کافر ہے۔

مرتد کے متعلق حکم:

فتنہ ارتداد کے اصل محرک اور جنگ کرنے والے کافر و مشرک ہیں۔ لہٰذا فتنہ کے ازالہ کے لئے بدلہ / سزا کے طور پر مرتد، ملحد اور کیمونسٹ دھریہ کو واجب القتل قرار دیا گیا ہے۔ تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے۔ (الاجماع لابن المنذر: 122 ، الجہاد الاسلامی ص766)

اسلام قبول کرنے اور مرتد ہو جانے والے کے قتل کے حکم مرتد کی تعریف اور اس کو قتل کرنے کی حکمت کے متعلق مزید تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔ (الجہاد الاسلامی ص764 تا 773 پر)

شاتم رسول ﷺ کی سزا قتل ہے:

عقل و دانش اور مہذب و متمدن انسانیت کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ ہر دین و مذہب کی اساس و بنیاد اس کی قابل احترام چیزیں، ہستیاں اور دینی شعائر ہی ہوا کرتے ہیں۔ لہٰذا ان حرمات اور شعائر کی تعظیم اس مذہب کے پیروکاروں کے لئے ایمان کی اصل بنیاد اور دین کے ستون کا درجہ رکھتی ہے۔ بنابریں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ کے لئے گالی گلوچ، عیب جوئی، بد کلامی، غلیظ اور لچر گفتگو کا ارتکاب نہایت قبیح حرکت ہی نہیں ہے بلکہ کفر اور ارتداد قرار پائے گا۔ کوئی بھی مسلمان اس کا دیدہ و دانستہ اور بغیر کسی عذر اور مجبوری کے ارتکاب کرنے سے مرتد اور واجب القتل ٹھہرے گا۔ (مزید تفصیل ص 773 تا 781 الجہاد الاسلامی پر ملاحظہ فرمائیں)

دوسری قسم:

ایمان میں کمی اور کمزوری پیدا کر دینے والی خرابیاں

پہلی قسم جس کا بیان ہو چکا ہے وہ خرابیاں ہیں جو اسلام کے منافی ہیں، اور اسے باطل کر دیتی ہیں اور ایسا انسان مرتد ہو جاتا ہے، اسے توبہ کرائی جائے گی اور توبہ نہ کرنے کی صورت میں قتل کر دیا جائے گا۔

دوسری قسم میں شامل وہ خرابیاں ہیں جو کفر میں داخل نہیں کرتیں لیکن ایمان میں کمزوری و کمی کا باعث بنتی ہیں۔

ایسا انسان جہنم اور اللہ کے غضب سے محفوظ نہیں رہ سکتا ہے، لیکن وہ کافر نہیں ہو گا۔ اس کی مثالیں جیسے زنا جب کہ آدمی کا ایمان ہے کہ وہ حرام ہے، اسے حلال بھی نہیں سمجھتا، حرام جانتا ہے، حلال نہیں جانتا بلکہ یہ جان کر زنا کرتا ہے کہ اس صورت میں وہ اللہ کریم کا نافرمان ہو گا تو ایسا شخص کافر نہیں ہو گا، بلکہ نافرمان و گنہگار ہو گا۔ لیکن اس کا ایمان ناقص ہو گا اور یہ گناہ اس کے عقیدے میں خرابی کا باعث ہو گا لیکن اس کے باوجود وہ دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہو گا۔

ہاں اگر وہ زنا حلال ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے تو کافر ہو جائے گا۔ اور ایسے ہی اگر کہے کہ چوری کرنا حلال ہے یا اس جیسے دوسرے گناہ بھی تو کافر ہو جائے گا، اس لیے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھا ہے اور ایسے ہی غیبت کرنا، چغلی کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور سود کھانا وغیرہ عقیدے میں یہ تمام خرابیاں دین وایمان کمزور کرنے والی ہیں۔

بدعات جو شرک کی خار دار وادی تک لے جاتی ہیں:

ایسے ہی بدعتیں جو معصیت کے کاموں سے زیادہ سخت ہیں، دین کے اندر بدعت ایمان کی کمزوری کا سبب ہے۔ اور جب تک اس میں شرک کا وجود نہ ہو انسان اس سے مرتد نہیں ہوتا ہے۔(حسن عقیدہ ص:135)

اس کی مثالیں: قبروں پر تعمیر کی بدعت جیسے قبر پر مسجد یا قبہ بنائے تو یہ بدعت ہے، دین میں خرابی پیدا کرتی ہے اور ایمان کمزور کرتی ہے اور یہ اس صورت میں ہے جب بنانے والا اللہ کے ساتھ کفر کے جواز کا اعتقاد نہ رکھتا ہو اور نہ ہی مردوں کو پکارنے ان سے فریاد رسی کرنے اور ان کے لیے نذر و نیاز کا قائل ہو بلکہ وہ اپنے اس فعل سے ان کی عزت و احترام کا خیال رکھتا ہو، تو ایسی صورت میں یہ کام کفر نہیں ہے بلکہ دین خراب کرنے والی بدعت ہے جو ایمان میں کمزوری و کمی پیدا کرتی ہے اور شرک تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔

بدعت کی مثالوں میں سے جشن عید میلاد النبی کی بدعت ہے۔ ربیع الاوّل کی بارہویں تاریخ کو کچھ لوگ محفل عید میلاد النبی منعقد کرتے ہیں تو یہ کام بدعت ہے، نہ تو نبی ﷺ نے اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم اور نہ آپ کے خلفائے راشدین نے اسے کیا ہے اور نہ ہی دوسری و تیسری صدی والوں نے کیا ہے بلکہ یہ دین میں ایک نئی ایجاد کردہ بدعت ہے۔

بدوی یا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی محفل میلاد منعقد کرنا، میلاد کی محفلیں منعقد کرنا ان بدعتوں اور غلط کاموں میں سے جو عقیدے میں خرابیاں پیدا کرتے ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی ہے اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

(شَرُّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ) (مسلم، کتاب الجمعۃ، باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ، ح:867)

"سب سے برا کام (دین اسلام میں) نئے نئے ایجاد کردہ کام ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ)

" جس کسی نے ہمارے اس دین میں نئی چیز پیدا کی جو دین میں سے نہیں ہے، تو وہ مردود ہے۔"(مسلم، کتاب الاقضیۃ، باب نقض الاحکام الباطلۃ، ح:1718)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَیْسَ عَلَیْہِ اَمْرُنَا فَھُوَ رَدٌّ)

" جس کسی نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے طریقے پر نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔"(مسلم، کتاب الاقضیۃ، باب نقض الاحکام الباطلۃ، ح:1718)

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

" تم لوگ نئے ایجاد شدہ کاموں سے بچو اس لیے کہ دین میں (زیادہ ثواب کمانے کی خاطر) ہر نئی ایجاد کی گئی چیز بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

تو بدعتیں دین میں ان خرابیوں میں سے ہیں جو کفر سے کمتر درجہ کی ہیں جب تک ان میں کفریہ کام نہ ہو۔ رہا جب محفل میلاد میں رسول اللہ ﷺ کو پکارنا، آپ ﷺ سے فریادرسی کرنا اور مدد طلب کرنا ہو، تو یہ اللہ کے ساتھ شرک ہو جائے گا اور ایسے ہی ان کا پکارنا: یارسول اللہ ! ہماری مدد فرما، مدد مدد یارسول اللہ، یارسول اللہ تو ہماری فریادرسی کر یا ان کا یہ اعتقاد رکھنا کہ رسول اللہ ﷺ غیب جانتے ہیں، یا آپ کے علاوہ کسی کو غیب کا علم ہے جیسے بعض شیعوں کا علی، حسن اور حسین ﷺ کے بارے میں یہ اعتقاد ہے کہ انھیں غیب کا علم ہے. تو یہ تمام چیزیں شرک اور دین سے ارتداد ہیں خواہ وہ محفل میلاد میں ہوں یا میلاد میں نہ ہو۔ ایسے ہی بعض رافضیوں کا یہ کہنا کہ ان سبھی بارہ اماموں کو غیب کا علم ہے تو یہ کفر وضلالت اور دین اسلام سے ارتداد ہے۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ﴾ (سورۃ النمل:27/65)

"آپ کہہ دیجیے کہ زمین اور آسمانوں میں غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔"

لیکن جب محفل میلاد میں صرف سیرت نبوی کا پڑھنا اور آپ ﷺ کی پیدائش کے وقت اور آپ کی لڑائیوں (غزوات) میں واقع شدہ واقعات اور اس جیسی وہ تمام چیزیں جو ان کی محفلوں و ولیموں میں ہوتی ہیں، تو یہ بدعت ہے، جو دین میں کمی پیدا کرتی ہے لیکن یہ دین کے منافی و تناقض نہیں ہے۔ (حسن عقیدہ، ص:125 تا 138)
کتاب "حسن عقیدہ" کے اقتباسات مکمل ہوئے۔

باب نمبر:۴

الولاء والبراء

عقیدہ توحید اور الولاء والبراء:

اسلام کی بنیاد عقیدہ توحید ہے اور عقیدہ توحید کی بنیاد (الحب فی اللہ والبغض فی اللہ) یعنی اللہ کے لئے دوستی اور اللہ کے لئے دشمنی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص دین سے پھر جائے، تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم لے آئے گا جن سے اللہ محبت کرے گا اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہو گی، وہ لوگ مسلمانوں پر نرم دل ہوں گے اور کفار پر سخت، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی کوئی پرواہ نہیں کریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے۔" (المائدہ:5/54)

اللہ تعالیٰ اور اس کے دوستوں سے محبت اور اس کے دشمنوں سے عداوت ایک ایسا وصف ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمایا تب تک پھر انبیاء علیہم السلام کے علاوہ نیکوکار لوگ بھی اسی راہ پر چلے۔ عقیدہ توحید کا حق ادا نہیں ہو سکتا اور کوئی

مسلمان جہاد فی سبیل اللہ کے میدان میں معرکہ آراء نہیں ہو سکتا جب تک ''الولاء والبراء'' کا مضبوط عقیدہ حرز جاں نہ بن جائے۔(دوستی اور دشمنی ص:27)

دوستی اور دشمنی کا معیار: الولاء والبراء:

جب کوئی شخص اسلام لاتا ہے تو اس میں کئی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک اہم تبدیلی یہ ہوتی ہے کہ اس کی دوستی اور دشمنی کا معیار بدل جاتا ہے۔ جو کل تک اس کے دوست تھے، وہ دشمن بن جاتے ہیں اور جو دشمن تھے وہ دوست بن جاتے ہیں اور ان نئے بننے والے دوستوں کی خاطر وہ پرانے دوستوں سے لڑائی تک کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس لڑائی میں اپنی جان اور اپنامال قربان کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> ''یقیناتمہارے لئے ابراہیم علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے انہوں نے اپنی قوم سے (برملا) کہہ دیا کہ ہم بری ہیں۔ تم سے اوراس سے جس کی اللہ کے علاوہ تم عبادت کرتے ہو (ہماراتمہاراکوئی تعلق نہیں) ہم تمہاراانکار کرتے ہیں اور ہمارے تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی اور بغض کھلم کھلا ظاہر ہو چکا ہے۔ یہاں تک کہ تم اکیلے اللہ پر ایمان لاؤ''۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کا تقاضا ہے کہ مسلمان اور کافر کے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی ہو اوراس دشمنی کا کھلم کھلا اعلان کیا جائے۔ یہ دشمنی صرف اس وقت ختم ہو سکتی ہے جب وہ اکیلے اللہ پر ایمان لے آئیں۔ اگر یہ بات نہ ہو تو ایمان نہیں ہے۔ ایمان اسی چیز کا نام ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ان کے دوستوں سے محبت ہو اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے دشمنی ہو۔

میرے بھائیو..........! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> ''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ ان کے بعض بعض کے دوست ہیں اور تم میں سے جو انہیں دوست بنائے، وہ انہی میں سے ہے۔ یقینا اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اس آیت میں یہود و نصاریٰ کو دوست بنانے سے منع کرنے کی ایک نہایت نفیس حکمت بیان فرمائی گئی ہے۔ فرمایا:

"تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔"

بعض اوقات انسان کی کسی کافر یہودی یا عیسائی سے دوستی ہو جاتی ہے۔ وہ ہمیشہ اس سے تعاون کرتا ہے۔ یہ سمجھتا ہے کہ اس نے مجھے کبھی نقصان نہیں پہنچایا۔ اسی لئے یہ میرا حقیقی دوست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس غلط خیال کی اصلاح فرمائی فرمایا:

"یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں" جسے آپ اپنا دوست سمجھ رہے ہیں، یہ دوسرے یہود و نصاریٰ کا دوست ہے۔ اس کی تمہارے ساتھ دوستی ہے تو کچھ اوروں کے ساتھ بھی دوستی ہے جو تمہارے دشمن ہیں۔"

کفار کے ساتھ دوستی پر اتنا سخت حکم لگایا:

"تم میں سے جو ان سے دوستی رکھے گا پھر وہ ہم میں سے نہیں بلکہ انہیں میں سے ہے۔ وہ مسلمانوں کی صف میں نہیں بلکہ کفار کی صفوں میں ہے۔ مسلمانوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرے، وہ انہی میں سے ہے۔" (مسند احمد ابو داؤد)

میرے بھائیو.........! اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کے دوست تین قسم کے ہوتے ہیں اور دشمن بھی تین قسم کے۔ سب سے پہلے میرا دوست وہ ہے جو مجھ سے محبت کرتا ہے۔ مجھ سے دوستی رکھتا ہے، دوسرا وہ جو میرے دوست سے دوستی رکھتا ہے۔ تیسرا دوست وہ ہے جو میرے دشمن سے دشمنی رکھتا ہے۔

اسی طرح میرا ایک دشمن وہ ہے جسے مجھ سے دشمنی ہے، دوسرا دشمن وہ ہے جو میرے دوست کا دشمن ہے، تیسرا دشمن وہ ہے جو میرے دشمن کا دوست ہے۔ جو شخص میرے کسی دشمن سے دوستی رکھے، وہ میرا دوست نہیں ہو سکتا۔ میرا دشمن بھی میرا دشمن ہے۔ اور میرے دوستوں کا دشمن بھی میرا دشمن ہے اور میرے دشمنوں سے دوستی رکھنے والا بھی میرا دشمن ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بنا لینا۔ کبھی ان پر اعتماد نہ کرنا۔''(الممتحنہ:۱)

میرے بھائیو............ !جب ایمان صحیح طریقے سے دل میں آجاتا ہے تو پھر یہ حالت ہو جاتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول eاور اہل ایمان کے ساتھ شدید محبت پیدا ہو جاتی ہے اور ان کے دشمنوں سے شدید نفرت اور عداوت پیدا ہو اجاتی ہے۔(مقالات طیبہ ص:11,10,9)

کفار کا دوست مرتد ہو کر دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''مومنوں کو چاہیے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ اللہ کی کسی حمایت میں نہیں، مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح بچاؤ مقصود ہو۔ اور اللہ تعالیٰ خود تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' (آل عمران:28:3)

مذکورہ الصدر آیت کی تفسیر میں شیخ التفسیر والمفسرین امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

'' اس آیت کریمہ کا معنی مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو منع کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ کافروں کو اپنا حمایتی اور مددگار نہ بنائو۔ وہ اس طرح کہ ان کے دین ومذہب کی بنیاد پر ان سے دوستیاں رچانے لگ جاؤ، مسلمانوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کے خلاف کافروں کی مدد کرنے کے درپے ہو جاؤ اور کافروں کو مسلمانوں کے خفیہ راز اور معلومات فراہم کرنے لگ جائو۔ جو شخص ایسا رویہ اختیار کرے گا۔﴿فلیس من اللہ فی شیئ﴾یعنی اس طرح کرنے سے وہ اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ اس سے لاتعلق ہو جائے گا۔ اس وجہ سے کہ وہ اسلام سے مرتد ہو چکا ہے اور کفر میں داخل ہو چکا ہے۔'' (دوستی اور دشمنی ص102)

کفار کی حمایت ومعاونت باعث ارتداد ہے:

صالح الفوزان فرماتے ہیں:

"کفار کی معاونت کرنا، مسلمانوں کے خلاف کفار کو اپنی مکمل حمایت اور سپورٹ فراہم کرنا، کفار کی مدح سرائی کرنا اور کافروں کی طرف سے مدافعت اور وکالت کرنا حقیقت میں کفار سے دوستی کے بڑے بڑے مظاہر اور علامتیں ہیں۔ دوستی کے یہ مظاہر ایک بندہ مسلم کے اسلام کو ختم کر دینے والے اور ارتداد کے اسباب میں سے بہت بڑے اسباب ہیں۔(یعنی مذکورہ بالا کاموں کا ارتکاب کرنے سے مسلمان مرتد ہو جاتا ہے۔)نعوذ باللہ من ذالک(دوستی اور دشمنی ص106)

مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر مجبور کئے جانے پر بھی جنگ جائز نہیں:

اس بات کا اندازہ لگالیں کہ جس شخص کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے زبردستی میدان کارزار میں لایا گیا ہو اور وہ شخص میدان جنگ میں ایسے لوگوں کے ساتھ اترا ہو جو اسلام کے شعائر اور ارکان سے نکلے ہوئے ہیں، مثلاًز کوٰۃ روکنے والے اور اسلام سے پھر جانے والے لوگ یا ان جیسے دیگر لوگ۔ اس بارے میں کوئی شک وشبہ والی بات نہیں کہ فتنہ کے حالات میں اگرچہ کسی شخص کو زبردستی میدان جنگ میں مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لئے لایا گیا ہو پھر بھی ایسے شخص پر واجب اور ضروری ہے کہ وہ شخص جنگ میں حصہ نہ لے خواہ وہ مجاہدین کے ہاتھوں قتل ہو جائے۔ بلکہ قتل ہونا برداشت کرلے۔ یہ بات بالکل ایسے ہے کہ مثلاً کسی مسلمان کو کافر زبردستی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرے۔ ایسی صورت میں اس کے لئے ہر گز جائز نہیں کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنا شروع کردے۔

اس بات کو اس مثال سے بھی سمجھایا جاسکتا ہے کہ مثلاً ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کو مجبور کرتا ہے کہ تو فلاں بے قصور اور معصوم مسلمان کو قتل کر ڈال۔ اس بات پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ مجبور کیے جانے کے باوجود کسی مسلمان شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی بے گناہ مسلمان کو قتل کر ڈالے۔ اگرچہ مجبور کرنے والا کتنا ہی مجبور کرے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ مجبور کرنے والا شخص یہ دھمکی دیتا ہے کہ اگر تو اس بے گناہ اور معصوم مسلمان کو قتل نہیں کرے گا تو میں تجھے قتل کر ڈالوں گا اس سوال کا جواب یہ ہے کہ پھر بھی اس کو چاہیے کہ خود قتل ہونا برداشت کرلے مگر اپنے معصوم اور بے گناہ مسلمان بھائی کے قتل کے درپے نہ ہو۔ کیونکہ اپنے آپ کو بچاتے ہوئے کسی بے گناہ مسلمان کی جان لے لینا کسی طور پر بھی قرین عقل وانصاف نہیں ہے۔ لہٰذا ایسے مجبور کے لئے ہر گز جائز نہیں کہ خود قتل ہونے کے خوف سے کسی مسلمان کو قتل کر ڈالے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس شخص کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے زبردستی لایا گیا ہو اس کے لئے ہر گز جائز نہیں کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرے۔ بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے اسلحہ کو ضائع کر ڈالے۔ اور اس پر لازم ہے کہ صبر و برداشت کا مظاہرہ کرے۔ یہاں تک کہ اس کو مظلومیت کی حالت میں قتل کر دیا جائے۔ وہ مظلومیت کی حالت میں قتل ہونا برداشت کرلے مگر جنگ میں شرکت نہ کرے۔ (دوستی اور دشمنی ص296,295)

مانعین زکوٰۃ مرتد ہیں تو مسلم سے برسرپیکار مرتد کیوں نہیں:

کافروں سے دوستی کرنے والے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے والوں کے بارے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ مزید رقمطراز ہیں:

> ''سلف صالحین، ائمہ و محدثین، صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم نے (اپنی اپنی تصانیف اور توضیحات میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں) زکوٰۃ نہ دینے والوں کو مرتد قرار دیا ہے۔ حالانکہ وہ روزے رکھتے تھے۔ نمازیں بھی پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما (برسرپیکار) بھی نہیں ہوتے تھے۔ جب اسلاف امت کے ہاں وہ مرتد تھے تو جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا پورا پورا ساتھ دیتے ہیں اور کافروں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کرتے ہیں۔ (خود غور کر لیجئے کہ متاخر الذکر لوگوں کے بارے سلف صالحین کا فتویٰ کیا ہو سکتا ہے؟)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی گفتگو اور وضاحت سے یہ بات واضح ہوئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ نہ دینے والوں پر مرتد ہونے کا فتویٰ دیا اور حکم لگایا ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ و قتال برپا نہیں کیے ہوئے تھے۔ اگر وہ صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کے ہاں کافر و مرتد تھے۔ تو جو لوگ کافروں کا ساتھ دیتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف باقاعدہ جنگ کر رہے ہیں وہ کفر و ارتداد میں ان سے کہیں زیادہ آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ (دوستی اور دشمنی ص161)

تاتاریوں سے صرف جاملنا بھی باعث کفر تھا:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ''الاختیارات الفقھۃ'' میں فرماتے ہیں:

"جو شخص تاتاریوں کے معسکر (چھاؤنی) کی طرف بھاگا بھاگا جاتا ہے اور ان سے جاملتا ہے، وہ شخص مرتد ہو جاتا ہے اور اس کا خون بہانا اور اس کا مال اپنے قبضہ میں لینا جائز ہے۔ مشرکین کے ساتھ صرف جاملنے کا جب یہ حکم ہے کہ وہ مرتد ہو جاتا ہے اور اس کو قتل کرنا اور اس کا مال قبضہ میں لینا جائز ہے۔ تو اس شخص کے متعلق خود غور فرمالیں کہ جو اس بات کا اعتقاد اور نظریہ رکھتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ و قتال کرنا میرے دین اور مذہب میں شامل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ثانی الذکر شخص کفر و ارتداد میں کہیں زیادہ آگے بڑھا ہوا ہے۔"(ونعوذ باللہ من ذالک)　　　(دوستی اور دشمنی ص182)

موجودہ زمانے کے مرتدین اور تاتاریوں کا معاملہ:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقتباس اور قول سے آپ کو معلوم ہوا کہ جو شخص تاتاریوں کے معسکر (ٹریننگ سینٹر) کی طرف بھاگ کر چلا جاتا ہے۔ اس کا یہ حکم ہے۔ حالانکہ تاتاری وہ لوگ تھے جو اسلام اور اسلامی شعائر کا اظہار کرتے تھے۔ لیکن وہ اپنے باہمی اختلافات اور تنازعات کا فیصلہ اسلامی قانون کے بغیر کرتے تھے۔ ان لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو ان کی طرف جاملے اور ان کے لشکروں اور ان کی فوجوں میں شامل ہو جائے گا وہ مرتد ہو جاتا ہے۔ اس کا قتل جائز اور اس کے مال کو قبضہ میں لینا مباح ہے۔ اس شخص کا وہی حکم ہے جو مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما اور برسرپیکار کافروں کا حکم ہے۔ جب آپ کو یہ بات معلوم ہو چکی تو اس شخص کے معاملے کو سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ جو شخص بغیر کسی جبر و اکراہ کے، اختیاری حالت میں، دل سے چاہتے ہوئے کافروں اور مرتدوں کی فوج اور اتحاد میں جاملتا ہے، مسلمانوں کے خلاف برپا جنگ میں وہ کافروں کا ساتھ دیتا ہے، کلمہ پڑھنے والے مسلمانوں اور مجاہدوں کو وہ پابند سلاسل کرتا ہے اور پس دیوار زنداں ڈال دیتا ہے، مخلص مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتوں اور سزائوں سے دوچار کرتا ہے اور ان کو قتل تک کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ مسلمانوں کا خون بہانے اور عزت پامال کرنے کو جائز اور مباح تصور کرتا ہے۔ وہ مال اور عزتیں جن کے حرام ہونے کے بارے قرآن و سنت کے بہت سے دلائل موجود ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تاتاری کافروں کے ساتھ محض جاملنا دین سے مرتد ہو جانا ہے۔ حالانکہ تاتاری اسلام کا اظہار کرتے تھے۔ تو جو شخص کافروں کے ساتھ جاملنے کے علاوہ یہ جرم بھی کرے کہ وہ کافروں کے ہمرکاب ہو کر مسلمانوں

کے خلاف جنگ میں شامل ہو جائے اور وہ جنگ بھی محض دین و مذہب اور اعتقادی و نظریاتی بنیاد پر ہو تو اس شخص کے بارے میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ یہ شخص واقعتاً کافر اور مرتد ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقتباس سے ان لوگوں کی بھی تردید ہو جاتی ہے، جو ان جیسے لوگوں کے بارے میں توقف اور خاموشی اختیار کرتے ہیں اور ان جیسے لوگوں کے بارے مسلمان ہونے کا ہی فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ اسلام کے بعض شعائر پر تو کاربند اور عمل پیرا ہیں۔ (دوستی اور دشمنی ص182)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت سے معلوم ہوا:

توجہ فرمایئے! شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کے متعلق فرماتے ہیں جو مسلمانوں سے جنگ کے موقع پر کفار کا تعاون کرتا ہے اور آلات حرب و ضرب اور مال و دولت کے ساتھ ان کو سپورٹ فراہم کرتا ہے۔ وہ جنگ کرنے والوں اور لڑائی کرنے والوں کے ہی حکم میں شامل ہے۔ ان تعاون کرنے والوں کا بالکل وہی معاملہ ہے جو مسلمانوں کے ساتھ بذات خود جنگ کرنے والوں کا ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ مسلمانوں سے جنگ کرنے والوں کے ساتھ بذات خود جنگ میں شامل نہیں تھے۔

اسی طرح جن عیسائیوں نے مسلمانوں کے گھروں اور جائیدادوں کو نذر آتش کرنے والوں کی بے غیرتی پر مسرت و شادمانی کا اظہار کیا تھا۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں اسی طرح کا فتویٰ دیا کہ جو نذر آتش کرنے والوں کے بارے میں تھا۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ دونوں قسم کے افراد کے بارے میں فرماتے ہیں:

> "وہ سب قتل کر دیے جانے کے مستحق ہیں۔ حاکم وقت کو یہ بھی اختیار نہیں کہ وہ ان میں سے کسی کے لئے معافی کا پروانہ جاری کر سکے۔ ان کی حتمی سزا صرف اور صرف قتل ہے۔"

اس سے آپ کو اس شخص کے متعلق تو بالکل واضح ہو جائے گا کہ جو کافروں کے اقدامات کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے، ان کا تعاون کرتا ہے، ان کو مالی طور پر اور معلومات کی فراہمی کے ساتھ سپورٹ فراہم کرتا ہے۔ بلکہ اس سے کہیں آگے نکل کر مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لئے کافروں کے اتحاد میں شامل ہو جاتا ہے (یہ الگ بات ہے کہ اس کو لڑائی میں عملاً حصہ لینے کا موقع نہ بھی ملے) ایسے معاونین اور مددگاروں کا وہی حکم ہے جو اس جنگ میں حصہ لینے والے بڑے بڑے بدمعاشوں، سرغنوں اور سرپرستوں کا ہے۔ یہ سب کے سب اب ایک گروہ شمار ہوں گے اور ان کا ایک ہی حکم اور معاملہ ہوگا۔ (دوستی اور دشمنی ص217)

درباری ملاؤں کے بارے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ اور نصیحت:

اسی بناء پر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسے عالم دین کے بارے فرماتے ہیں، جو کتاب و سنت کی کھری دعوت جانتے ہوئے بھی ترک کر دیتا ہے اور حق کی مخالفت کرتے ہوئے حکام وقت کی خواہش کی پیروی کرتا ہے، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جب ایک عالم دین کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے ہوئے بھی برحق موقف ترک کر دے اور حاکم وقت کے ایسے حکم کی پیروی کرنے لگ جائے جو حکم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے صریحاً خلاف ہو۔ ایسا عالم دین مرتد اور کافر ہو جاتا ہے اور دنیا و آخرت میں سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ سورۃ الاعراف آیات ا۔۳میں فرماتے ہیں:

"المص (حروف مقطعات میں سے ہے) یہ ایک کتاب ہے جو آپ کے پاس اس لیے بھیجی گئی ہے کہ آپ اس کے ذریعے سے (لوگوں کو) ڈرائیں، سو آپ کے دل میں اس سے بالکل تنگی نہ ہو اور یہ ایمان والوں کے لیے نصیحت ہے۔ تم لوگ اس کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کی پیروی مت کرو۔ تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو۔"

اگر بالفرض اس عالم دین کو مارا پیٹا جائے اس کو پس دیوار زنداں کر دیا جائے یا اس کو طرح طرح کی اذیتوں اور تکلیفوں سے دوچار کیا جائے، اس وجہ سے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو چھوڑ دے۔ جس شریعت کی پیروی کرنا واجب ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور قانون کی بجائے وہ کسی اور حکم اور قانون کی پیروی کرنے لگ جائے۔ تو یہ عالم اگر ان مصائب و آلام کو سامنے دیکھ کر دین کی کھری دعوت سے باز آ جاتا ہے تو بھی یہ شخص اللہ کی طرف سے سزا کا مستحق قرار پائے گا۔ اس عالم دین پر فرض عائد ہوتا تھا کہ وہ تکلیفوں اور اذیتوں کے وقت صبر و برداشت کا مظاہرہ کرتا۔ کیونکہ یہ سب کچھ اس نے اپنے اللہ کے لئے برداشت کیا تھا۔ انبیائے کرام صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیروکاروں میں اللہ تعالیٰ کی سنت اور طریقہ یہی ہے کہ وہ مصائب و آلام کے ساتھ آزماتا ہے۔

ا............اللہ تعالیٰ سورۃ العنکبوت کی آیات: ا۔۳ارشاد فرماتے ہیں:

”الم (حروف مقطعات میں سے ہے) کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف اس دعوے پر کہ ہم ایمان لائے ہیں، ہم انھیں بغیر آزمائے ہی چھوڑ دیں گے۔ ان سے پہلے لوگوں کو بھی ہم نے خوب جانچا، یقینا اللہ تعالیٰ انہیں بھی جان لے گا جو سچ کہتے ہیں اور انہیں بھی معلوم کر لے گا جو جھوٹے ہیں۔“

۲............اسی طرح سورۃ محمد کی آیت: ۳۱ میں فرمایا:

”یقینا ہم تمہارا امتحان کریں گے تاکہ تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو معلوم کر لیں، اور ہم تمہاری حالتوں (خبروں) کی بھی جانچ کریں گے۔“

۳............اسی طرح سورۃ البقرہ کی آیت: ۲۱۴ میں ارشاد فرمایا:

”کیا تم یہ گمان کیے بیٹھے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے، حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات نہیں آئے۔ جو تم سے اگلے لوگوں پر آئے تھے۔ انہیں بیماریاں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ یہاں تک جھنجھوڑے گئے کہ رسول علیہ السلام اور اس کے ساتھ ایمان والے بھی کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی؟ آگاہ رہو کہ اللہ کی مدد قریب ہے۔“(دوستی اور دشمنی ص 223)

باب نمبر:۵

عہد صحابہ میں مرتدین کے خلاف جنگیں

مسیلمہ کذاب کی سرکوبی:

جب مسیلمہ کذاب کی قوم نے اس کو نبی تسلیم کیا اور اس کی نبوت کی تصدیق کی حالانکہ وہ نماز بھی پڑھتے اور دیگر امورِ دین بھی سرانجام دیتے تھے تو صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو کافر قرار دیا اور بعض کو تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قتل کیا اور یہ سارا کام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ہوا۔

اسی طرح بنو حنیفہ کا قصہ ہے جب وہ مسلمان ہوئے تو ان کو مسجد میں نماز پڑھنا بہت اچھا لگا اور وہ بہت لگن کے ساتھ عبادت میں مشغول ہو گئے اور انہوں نے اپنی ایک مسجد بنالی جو مسجد بنی حنیفہ کے نام سے مشہور ہو گئی۔ بعد میں کچھ مسلمانوں کا وہاں سے گزر ہوا انہوں نے اس مسجد میں نماز پڑھی اور دیکھا کہ ایک آدمی کھڑا ہو کر وعظ کر رہا تھا کہ مسیلمہ نبی ہے اور مسیلمہ حق پر ہے یہ ایک بہت بڑی جماعت تھی جنہوں نے یہ بات کہی تھی ان کے سامعین میں سے کسی نے بھی اس کی تردید نہ کی۔ ان کا یہ معاملہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تک پہنچا تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اکٹھا کر کے ان سے مشورہ لیا کہ ان سے صرف توبہ کروائی جائے یا توبہ کے باوجود ان کو قتل کر دیا جائے اور بعض نے ان سے توبہ کروانے کا مشورہ دیا تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بعض لوگوں سے توبہ کروائی اور بعض کو بغیر توبہ کروائے قتل کروا دیا۔ جو ان میں نئے شامل ہوئے تھے ان سے صرف توبہ کروائی اور جو پہلے مسلمان تھے بعد میں اس جماعت میں شامل ہوئے ان سے توبہ کرائے بغیر انہیں قتل کر دیا تھا۔

امام محمد بن عبدالوھاب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس واقعہ پر غور کیجئے کہ انہوں نے نیک اعمال اپنانے میں کتنی مشقت برداشت کی کیونکہ وہ کفر سے نکل کر اسلام میں داخل تو ہو گئے تھے۔ لیکن جب ان لوگوں کی زبان سے مسیلمہ کی مدح میں ایک کلمہ نکلا جو کچھ مسلمانوں نے سن لیا اس کے بعد کسی نے بھی ان کے کفر میں تردد کا اظہار نہ کیا۔ خواہ ان سب نے اس بات کا اقرار کیا یا نہیں ان کے خاموش رہنے پر ہی یہ فیصلہ صادر ہوا صرف اس بات میں اختلاف ہوا تھا کہ آیا ان سے توبہ قبول کی جائے یا نہ کی جائے۔ یہ قصہ اصلاً بخاری شریف میں موجود ہے جبکہ بالتفصیل بیہقی میں موجود ہے۔

اس قصہ سے مشائخ مرجئیہ کے موقف کی شدید تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جو بھی نماز پڑھتا ہے یا اسلامی شعائر کو اپناتا ہے اس کو کافر کہنا جائز نہیں۔ وہ شہادتین کے اقرار کے بعد جو مرضی کہتا رہے یا جو مرضی کرتا رہے۔ اصل میں ان کے یہ دلائل عمومی ہیں جبکہ وہ دلائل جو ان عمومات کو خاص کرتے ہیں وہ ان کو نہیں پرکھتے۔ بلکہ اس کے برعکس اپنے مخالفین کا رد کرتے ہیں خواہ ان کے پاس پختہ شرعی دلیل ہی کیوں نہ ہو۔ اسی لئے شیخ محمد حامد الفقی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر میں اس آیت ﴿اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ﴾ کی تعلیق میں فرمایا ہے کہ ان جیسے بلکہ ان سے بدتر لوگ وہ ہیں جنہوں نے انگریز کے قوانین کو اختیار کیا ہے وہ اپنی عزت، جان ومال کے فیصلے اسی کے مطابق کرتے ہیں۔ بلکہ اگر کوئی آدمی جانتے بوجھتے اس دستور کو کتاب وسنت پر مقدم کرتا ہے اور کتاب اللہ کے فیصلہ کی طرف نہیں پلٹتا تو اس کے کافر ومرتد ہونے میں کوئی شک نہیں یہ جو مرضی نام رکھے یا جو مرضی عمل کرتا پھرے نماز، روزہ وغیرہ اس کا اس کو کوئی فائدہ نہیں۔

مانعین زکوٰۃ سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جنگ:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوتے ہی عرب کے بعض لوگوں نے کفر اختیار کیا (یعنی زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا) عمر رضی اللہ عنہ نے کہا آپ ان لوگوں سے کیسے لڑ سکتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک لڑوں جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں۔ پھر جس نے یہ کلمہ پڑھ لیا تو اس نے اپنا مال اور اپنی جان کو مجھ سے بچا لیا مگر کلمہ کا جو حق ہے وہ اس سے ضرور لیا جائے گا۔ اور اس کا حساب اللہ کے ذمے ہو گا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا" اللہ کی قسم میں ضرور ان سے لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرے گا (یعنی جو نماز تو پڑھے گا لیکن زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا) اللہ کی قسم اگر ایک اونٹ کا بچہ بھی جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے مجھے نہ دیں گے تو میں ضرور ان سے اس بچہ کو روک لینے پر جنگ کروں گا۔" عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں " اللہ کی قسم اللہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا تھا۔ بعد میں میں بھی سمجھ گیا کہ یہ حق ہے"(یعنی جنگ کرنا ضروری ہے)

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتد کے اسلام سے نکلنے کا سبب شہادتین کے اقرار کا ترک نہیں کیونکہ شہادتین کا اقرار اس آدمی کے حق میں اسلام کی علامت ہو گا جو پہلے شہادتین کا اقراری نہیں ہے بلکہ وہ تو اپنے شرک کی حالت میں اس کو تسلیم کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتا اور اپنے شرک وبتوں کی عبادت کو ہی حق سمجھتا ہے۔ جبکہ یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے اس

لئے ضروری ہے کہ جو چیز اس کے ارتداد کا سبب ہے وہ اس سے رجوع کرے اگر وہ حرام چیز کو مباح سمجھنے کی وجہ سے کافر ہوا ہے تو ضروری ہے کہ وہ اس کی حرمت کا اعتقاد رکھے اور اگر اس کے ارتداد کا سبب شریعت سے ثابت شدہ امر ہے جس چیز کا اس نے انکار کیا ہے تو اسی طرح اس کا اقرار کرنا بھی ضروری ہے۔ اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم مرتدین کے گروہوں سے قتال کرتے تھے۔ حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو شہادتین کا اقرار کرتے تھے نماز پڑھتے تھے اسلام کے فرائض کو ادا کرتے تھے لیکن زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے اور ان میں سے بعض کا موقف صرف یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کو زکوٰۃ نہیں دی جائے گی۔ ان سے قتال شھادتین کے عدم اقرار کی وجہ سے نہیں تھا جیسے بت پرستوں سے ہوتا ہے بلکہ یہاں معاملہ کچھ اور تھا۔ شہادتین کا اقرار بلکہ نماز کا قیام بھی ان کے حق میں اسلام کی دلیل نہ بن سکا جب تک وہ اس چیز سے لوٹ نہیں آئے جو ان کے ارتداد کا سبب بنی تھی۔ بلکہ نماز کا قیام بھی ان کے حق میں اسلام کی دلیل نہیں بن سکا جب تک کہ وہ اس چیز سے لوٹ نہیں آئے جو ان کے اتداد کا سبب بنی تھی۔ (واللہ تعالی اعلم)　　(کبیرہ گناہ اور نواقض اسلام ص:66)

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب بدر کے قیدیوں میں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو جنگ بدر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے گرفتار کر کے قیدی بنالیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے زبردستی قریشی لشکر والے اپنے ساتھ لے آئے ہیں ویسے میں مسلمان ہو چکا تھا تو جوابًا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! آپ کی ظاہری حالت تو ہمارے خلاف ہی ہے جہاں تک آپ کا پوشیدہ یعنی دل کا معاملہ ہے وہ اللہ کے سپرد ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! اے عباس آپ اپنا فدیہ بھی ادا کریں اور اپنے دونوں بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کا بھی اور اپنے جنگی دوست عتبہ بن عمرو کا فدیہ بھی ادا کریں۔ اس لئے کہ آپ ایک کھاتے پیتے آدمی ہیں۔ تو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے جوابًا کہا! میں درحقیقت مسلمان ہو چکا تھا لیکن میری قوم (قریش مکہ) نے مجھے ساتھ آنے پر بہت زیادہ مجبور کیا اس لئے میں ان کے ساتھ آ گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بات آپ کہہ رہے ہیں اس کے بارے حقیقت سے اللہ تعالیٰ ہی آگاہ ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو فدیہ ادا کرنے پر اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی بہتر جزا دے گا۔ لیکن یہاں تک آپ کے ظاہری معاملہ کا تعلق ہے تو یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آپ ہمارے خلاف برسرپیکار تھے۔ (لہٰذا اگرچہ آپ کو قتل نہیں کیا جائے گا مگر آپ پر دیگر احکام قیدیوں والے ہی لاگو ہونگے۔ (فتح الباری)

(دوستی اور دشمنی ص 301,291)

باب نمبر:٦

عہد نبوی میں منافقت کے دو اہم کردار

در حقیقت عہد نبوی میں فتنہ ارتداد نہ تھا جب کہ عہد نبوی e میں پیش آنے والے دو واقعات و کردار ایسے ہیں کہ جن سے حیلہ ساز سرکاری علماء بہت من پسند استدلال کرتے ہیں۔ عوام کے سامنے ان کرداروں کا جزوی تذکرہ کر کے خواہش نفس کے مطابق معنی نکالتے ہیں جبکہ اگر ان کا تفصیلی اور مکمل مطالعہ کیا جائے تو حقیقت بہت کھل جاتی ہے۔ ان میں ایک حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ اور دوسرا کردار عبد اللہ بن ابی ہے۔

تفسیر ابن کثیر (اردو) میں بھی ان واقعات کی مکمل تفصیل موجود ہے جن کا مطالعہ ہر اہل ایمان کے لیے مفید ہے تا کہ غلط استدلال کرنے والوں کو سمجھایا جا سکے۔

حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ کا واقعہ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

"اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے اور خود اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ سمجھو تم تو محبت کی بنیاد ڈالنے کے لئے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو اور وہ اس حق کے ساتھ جو تمہارے پاس آ چکا ہے کفر کرتے ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اور خود تمہیں بھی محض اس وجہ سے جلا وطن کرتے ہیں کہ تم اپنے پروردگار (اللہ) پر ایمان رکھتے ہو، اگر تم میری راہ میں جہاد اور میری رضامندی کی طلب میں نکلتے ہو (تو ان سے دوستیاں نہ کرو) تم ان کے پاس محبت کا پیغام پوشیدہ پوشیدہ بھیجتے ہو مجھے خوب معلوم ہے جو تم نے چھپایا، اور وہ بھی جو تم نے ظاہر کیا، تم میں سے جو بھی اس کام کو کرے گا وہ یقیناً راہ راست سے بہک جائے گا۔ اگر انہیں تم پر کوئی دسترس کا موقع مل جائے تو وہ تمہارے کھلے دشمن ہو جائیں اور برائی کے ساتھ تم پر دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں اور دل سے چاہنے لگیں کہ تم بھی کفر کرنے لگ جاؤ۔ تمہاری قرابتیں، رشتہ داریاں اور اولادیں تمہیں قیامت کے دن کام

نہ آئیں گی، اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا اور جو کچھ تم کر رہے ہو اسے اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے۔" (الممتحنہ 3,2,1)

تفسیر ابن کثیر میں یہ واقعہ تفصیلاً موجود ہے کہ صحابی رسول ﷺ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس سورت کی شروع والی آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ واقعہ یہ ہوا کہ حاطب رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے تھے۔ بدر کی لڑائی میں بھی آپ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے لشکر میں شرکت کی تھی ان کے بال بچے اور مال و دولت مکہ میں ہی تھا اور یہ خود قریش میں سے نہ تھے۔ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حلیف تھے، اس وجہ سے مکہ میں انہیں امن حاصل تھا۔ اب یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ شریف میں تھے۔ یہاں تک کہ جب اہل مکہ نے عہد توڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان پر چڑھائی کرنی چاہی تو آپ ﷺ کی خواہش یہ تھی کہ انہیں اچانک دبوچ لیں تاکہ خونریزی نہ ہونے پائے اور مکہ پر باآسانی قبضہ ہو جائے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کی کہ باری تعالیٰ ہماری تیاری کی خبریں ہمارے مکہ پہنچنے تک اہل مکہ کو نہ پہنچیں۔ ادھر آپ ﷺ نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے اس موقعہ پر ایک خط اہل مکہ کے نام لکھا اور ایک قریشیہ عورت کے ہاتھ اسے چلتا کیا جس میں رسول اللہ ﷺ کے اس ارادے اور مسلمانوں کی لشکر کشی کی خبر درج تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کا ارادہ اس سے صرف یہ تھا کہ میرا کوئی احسان قریش مکہ پر رہ جائے جس کے باعث وہاں میرے بال بچے اور مال و دولت محفوظ رہیں۔ چونکہ حضور ﷺ کی دعا قبول ہو چکی تھی لہٰذا یہ ناممکن تھا کہ قریش کو کسی ذریعہ سے بھی اس ارادے کا علم ہو جائے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس پوشیدہ راز سے مطلع فرما دیا اور آپ ﷺ نے اس عورت کے پیچھے اپنے سوار بھیجے، راستے میں اسے روکا گیا اور خط اس سے حاصل کر لیا گیا۔ یہ مفصل واقعہ صحیح احادیث میں بھی پوری طرح بیان کیا گیا ہے۔

مسند احمد میں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے اور زبیر رضی اللہ عنہ کو اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے بلوا کر فرمایا تم یہاں سے فوراً کوچ کرو روضہ خاخ میں جب تم پہنچو گے تو تمہیں ایک سانڈنی سوار عورت ملے گی جس کے پاس ایک خط ہے تم اسے قبضہ میں کرو اور یہاں لے آئو۔ ہم تینوں گھوڑوں پر سوار ہو کر بہت تیز رفتاری سے روانہ ہو گئے روضہ خاخ نامی جگہ میں جب پہنچے تو فی الواقع ہمیں ایک سانڈنی سوار عورت دکھائی دی۔ ہم نے اس سے کہا کہ جو خط تیرے پاس ہے وہ ہمارے حوالے کر، اس نے صاف انکار کر دیا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے کہا غلط کہتی ہے تیرے پاس خط یقیناً ہے اگر تو راضی خوشی نہ دے گی تو ہم جامہ تلاشی کر کے جبراً وہ خط تجھ سے چھینیں گے۔ اب تو وہ عورت سٹ پٹائی اور آخر کار اس نے اپنی چٹیا کھول کر اس میں سے وہ

پرچہ نکال کر ہمارے حوالے کیا۔ ہم اسی وقت وہاں سے واپس روانہ ہوئے اور حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں اسے پیش کر دیا۔ پڑھنے پر معلوم ہوا کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے اسے لکھا ہے اور یہاں کی خبر رسانی کی ہے، حضور ﷺ کے ارادوں سے کفار مکہ کو آگاہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ ﷺ نے کہا حاطب رضی اللہ عنہ یہ کیا حرکت ہے؟ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا یارسول اللہ ﷺ جلدی نہ کیجئے میری بھی سن لیجئے میں قریشیوں میں ملا ہوا تھا خود قریشیوں میں سے نہ تھا، پھر آپ ﷺ پر ایمان لا کر آپ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی۔ اور جتنے بھی مہاجرین ہیں ان سب کے قرابت دار مکہ میں موجود ہیں جن کے بال بچے وغیرہ مکے میں رہ گئے ہیں وہ ان کی حمایت کرتے ہیں لیکن میرا کوئی رشتہ دار وہاں نہیں جو میرے بچوں کی حفاظت کرے، اس لئے میں نے چاہا کہ قریشیوں کے ساتھ کوئی سلوک واحسان کر دوں جس سے وہ میرے بچوں کی حفاظت کریں اور جس طرح اوروں کے نسب کی وجہ سے ان کا تعلق ہے میرے احسان کی وجہ سے میرا تعلق ہو جائے گا۔ یارسول اللہ ﷺ میں نے کوئی کفر نہیں کیا نہ اپنے دین سے مرتد ہوا ہوں نہ اسلام کے بعد کفر سے راضی ہوا ہوں بس اس خط کی وجہ صرف اپنے بچوں کی حفاظت کا حیلہ تھا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا لوگو تم سے جو واقعہ حاطب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں وہ بالکل حرف بحرف سچا ہے کہ نفع کی خاطر ایک غلطی کر بیٹھے ہیں نہ کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانا یا کفار کی مدد کرنا ان کے پیش نظر ہو۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس موقعہ پر موجود تھے اور یہ واقعات آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے ہوئے۔ آپ کو بہت غصہ آیا اور فرمانے لگے یارسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑادوں آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ بدری صحابی رضی اللہ عنہ ہیں اور بدر والوں پر اللہ تعالیٰ نے جھانکا اور فرمایا جو چاہو عمل کرو میں نے تمہیں بخش دیا۔ یہ روایت اور بھی بہت سی حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اس واقعہ سے بے محل دلیل پکڑتے ہوئے آج کئی حضرات مسلمانوں (مجاہدین اسلام) کے خلاف برسرپیکار کفار سے دوستیاں کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی مخبریاں کرتے اور مجاہدین کو کفار کے سپرد کرنے یا نقصان پہنچانے میں کفار کا پورا پورا ساتھ دینے والوں کو منافق ثابت کر کے ان کا اور اپنا دفاع کرتے ہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ خود نبی ﷺ نے مسلمانوں کی مخبری کرنے پر حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو کچھ نہیں کہا تھا۔ اس لئے یہ کوئی اتنا بڑا گناہ نہیں کہ جس سے کسی کا ایمان خطرے میں ہو یا کوئی ملت اسلامیہ سے ہی نکل جائے۔ اب ذرا عقل سلیم سے کام لیتے ہوئے اس واقعہ میں یہ امور بھی ملاحظہ کرنے چاہئیں کہ

① پہلی بات یہ کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ حاطب t کے پیش نظر مسلمانوں کو نقصان پہنچانا اور کفار کی مدد کرنا نہیں تھا بلکہ اپنے اہل وعیال کے فائدے کی خاطر اس سے یہ غلطی سرزد ہوئی اور اس کی یہ بات سچ ہے۔

② آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بدری صحابی رضی اللہ عنہ ہے اور بدر والوں کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا ہے۔

③ بدری صحابی رضی اللہ عنہ ہونے کے باوجود حاطب رضی اللہ عنہ کی یہ غلطی کہ انہوں نے کفار مکہ کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کا راز افشاء کرنا چاہا۔ یہ قابل گرفت تھی تو اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فوراً آیات نازل فرمائیں ان آیات کا ترجمہ بھی غور فرمالیں: ” اللہ نے کتنی سخت سرزنش فرمائی کہ جو کوئی ایسا کرے گا راہ راست سے بہک جائے گا۔ “

④ جب آپ ﷺ نے حاطب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ کیسی حرکت کی ہے تو حاطب نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ جلدی نہ کیجئے اور میری بات بھی سن لیجئے تو گویا حاطب رضی اللہ عنہ کو بھی اندازہ تھا کہ میرے متعلق جناب عمر رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق (گردن اڑانے) کا فیصلہ ہونے والا ہے۔

⑤ اس واقعہ کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہود ونصاریٰ اہل کتاب اور کفار کے ساتھ دوستیاں نہ کرنے والی آیات نقل کی ہیں اور لکھا ہے کہ جو ایسا کرے گا وہ انہی کفار میں سے ہوگا۔

⑥ اس خط میں تو صرف یہ اطلاع ہی تھی کہ نبی ﷺ اپنے لشکر سمیت کفار مکہ پر حملہ آور ہونے والے ہیں۔ اور اس کے علاوہ تو اس میں کفار مکہ کے فائدے یا مسلمانوں کے نقصان والی کوئی خاص رازداری بھی نہیں تھی۔ اوران کی معافی میں یہ بات بھی ہے کہ ان کی یہ غلط کوشش کامیاب بھی نہیں ہوئی کہ کفار مکہ تک یہ پیغام پہنچا ہی نہیں پہلے ہی پکڑا گیا۔

اس واقعہ سے متعلق سوالات:

① اس واقعہ سے منافقت کے من گھڑت جواز پیدا کرنے والوں کو یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ کیا آج کے یہ نام نہاد مسلمان جو مجاہدین اسلام کی مخبریاں کریں، مسلمانوں کو شہید کروائیں مساجد و مدارس کو نیست ونابود کریں مسلمانوں کے

گھروں بازاروں کو بارود و میزائلوں سے اڑا دیں تو کیا یہ سارے جرائم کرنے والے اور اس میں مدد کرنے والے سب مسلمان ہی ہیں؟

② مذکورہ واقعہ پر نازل ہونے والی آیات مبارکہ کا مصداق کون ہیں؟

③ کیا یہ بھی بدری صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے ہی ہیں کہ ان کو عام معافی مل چکی جو مرضی کرتے جائیں؟

④ کیا جناب حاطب رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد بھی ایسی کوئی غلطی کی یا کیا اپنی اس حرکت کو درست و جائز سمجھا اسے جتلایا یا نشر کیا یا اس پر فخر کیا؟

⑤ جناب حاطب رضی اللہ عنہ نے تو اپنی صفائی بیان کی کہ میں ایمان پر قائم ہوں مرتد یا کافر نہیں ہوں اور نہ اسلام کے بعد کفر پر راضی ہوں بس یہ غلطی اپنے بچوں کی حفاظت کی خاطر کر بیٹھا ہوں۔ تو کیا آج کے یہ دشمنان اسلام بھی اپنے ان کالے کرتوتوں پر اپنی غلطی مانتے یا کفر کے مقابلے میں اپنے ایمان کی صفائی پیش کرتے ہیں؟

⑥ کیا اس واقعہ سے منافق اور مرتد کے احکام میں کوئی فرق نظر نہیں آتا حقیقت تو یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مرتد کے حکم کو پہنچنے والا کوئی تھا ہی نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو مرتد ہوئے ان کو صحابہ رضی اللہ عنہم کرام نے صاف کر دیا تھا؟

⑦ حاصل کلام..........!! جناب حاطب رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے خلاف حقیقت استدلال کر کے کفار کے دوست حواری اور صف اوّل کے اتحادیوں پر سند جواز چسپاں کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ جب کہ اس واقعہ میں تو مسلمانوں کی مدد و نصرت اور عقیدہ الولاء والبراء کو بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

رہا یہ مسئلہ کے حاطب رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کر دیا تھا تو یہاں معاف کرنے کے اسباب اور وجوہات پر بھی غور کرنا چاہیے یقینا حاطب رضی اللہ عنہ کی یہ غلطی بہت بڑا جرم تھی اسی لیے تو اللہ نے ان کو معاف کرنے کے سبب کے طور پر ان کی یہ کوشش کامیاب ہی نہ ہونے دی۔ تو کیا موجودہ کفار کے اتحادیوں کی اسلام کے خلاف تمام حرکتیں بھی راستے میں ہی عدم تکمیل پر پکڑ لی جاتی

ہیں اور ناکام بنادی جاتی ہیں یا کہ یہ تمام اہل اسلام کو ببانگ دہل جیسے کفر چاہے تختہ مشق بنادیتے ہیں۔ اے اہل دانش ذرا یہ تو سوچو کہ کہاں ناکام مخبری کا واقعہ اور کہاں کامیاب مخبریاں ہی نہیں بلکہ گرفتاریاں و شہادتیں، بچوں، عورتوں، مدرسوں اور مسجدوں پر بمباریاں۔ عالمی کفار کی اگلی صفوں میں شامل ہو کر مسلمانوں کے خلاف بر سر پیکار لوگوں کو جناب حاطب رضی اللہ عنہ سے کیسے ملایا جا سکتا ہے؟............

رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کا واقعہ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"(منافقین) یہ کہتے ہیں کہ اگر اب لوٹ کر مدینہ جائیں گے تو ہم عزت والے ان ذلت والوں کو نکال باہر کریں گے۔ اور سنو عزت تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمانداروں کے لئے ہے لیکن یہ منافق نہیں جانتے۔" (المنافقون 8)

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک غزوہ میں چند مہاجرین اور انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان پانی کے مسئلہ پر جھگڑا ہو گیا انصاریوں میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ملازم بھی شامل تھے۔ انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم نے انصاریوں کو اپنی مدد کے لئے آواز دی اور مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم نے مہاجرین کو آواز دی اس وقت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ وغیرہ انصار کی ایک جماعت عبد اللہ بن ابی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے جب جھگڑا کرنے والے لوگوں کی فریاد سنی تو کہنے لگا، لو ہمارے ہی شہروں میں ان لوگوں نے ہم پر حملے شروع کر دیے اللہ کی قسم ہماری اور ان قریشیوں کی مثال وہی ہے جو کسی نے کہا ہے کہ اپنے کتے کو موٹا تازہ کر تا کہ تجھے ہی کاٹے۔ اللہ کی قسم اگر ہم لوٹ کر مدینہ گئے تو ہم عزت والے لوگ ان ذلت والے لوگوں کو وہاں سے نکال دیں گے۔ پھر اس کی قوم کے جو لوگ اس کے پاس بیٹھے تھے ان سے کہنے لگا کہ یہ سب آفت تم نے خود اپنے ہاتھوں اپنے اوپر لی ہے تم نے انہیں اپنے شہر میں بسایا اب بھی اگر تم ان کی مالی امداد نہ کرو تو یہ خود تنگ آکر مدینہ سے بھاگیں گے۔

جناب زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے یہ تمام باتیں سنیں اور سیدھے سرکار نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان فرمادیا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے جو غضبناک ہو کر فرمانے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرمائیں کہ

اس کی گردن الگ کر دی جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ایسے تو لوگوں میں یہ مشہور ہو جائے گا کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کی گردنیں مارتے ہیں یہ ٹھیک نہیں جاؤ لوگوں میں کوچ کی منادی کر دو۔

نبی ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جس منزل پر اترتے تو وہاں سے کوچ نہ کرتے جب تک کہ نماز نہ پڑھ لیں لیکن جب آپ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ عبداللہ بن ابی نے ایسا کہا ہے تو آپ ﷺ نے وقت سے پہلے ہی کوچ کرنے کا حکم فرمادیا۔ عبداللہ بن ابی کو جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو اس کی باتوں کا علم ہو گیا ہے تو بہت سٹپٹایا اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت اور حیلے بہانے تاویل اور تحریف کرنے لگا اور قسمیں کھا گیا کہ میں نے ایسا ہر گز نہیں کہا۔

چونکہ یہ اپنی قوم میں ذرا باوقعت تھا اور لوگ بھی کہنے لگے کہ حضور ﷺ شاید آپ کو بتانے والے بچے سے غلطی ہو گئی ہو کیونکہ اس طرح یہ واقعہ ثابت تو ہوتا نہیں۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ منافق حضور ﷺ کے سامنے انکار کر گیا اور قسمیں کھا گیا اس وقت میری قوم نے مجھے بہت برا کہا ہر طرح کی ملامت کی میں نہایت غمگین دل ہو کر وہاں سے چل دیا اور سخت رنج و غم میں تھا کہ حضور ﷺ نے مجھے یاد فرمایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تیری سچائی ظاہر کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی ہے۔(المنافقون 8)

نوٹ: تفسیر ابن کثیر سے اس واقعہ کا خود مطالعہ فرمائیں جس میں اور بہت زیادہ وضاحتیں موجود ہیں۔

منافقین کے لیے عمومی استدلال:

عبداللہ بن ابی بن سلول جسے رئیس المنافقین بھی کہا گیا ہے اس نے اور اس کے حواریوں نے پیارے نبی ﷺ اور جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہ کرام کو متعدد بار اذیت رسانی کے لئے کئی حربے استعمال کئے لیکن یہ بڑا چالاک اور شاتر آدمی تھا جو بڑی آسانی سے اپنے بد ارادے واعمال دوسروں پر ڈال کر خود نکل جاتا تھا۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بھی کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو اس کے قتل کی اجازت طلب کرنے پر اس کام سے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ لوگوں میں یہ مشہور ہو جائے گا کہ محمد ﷺ تو اپنے ساتھیوں کی بھی گردنیں مارنے لگے ہیں۔ اسی طرح کئی اور احادیث میں ہیں کہ جب بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے کسی منافق کے قتل کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے یہی جواب دیا کہ اس کی اجازت نہیں

ہے۔یہاں سے یہ دلیل لی جاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس رئیس المنافقین کو بھی قتل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، کبارائمہ سلف صالحین اور تمام علماء اہل سنت کا بھی یقینا یہی موقف ہے کہ منافقین کو قتل کرنے کی بجائے ان کے ظاہر کے مطابق ان سے معاملہ کیا جائے گا۔ اور ان کے باطن کو اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منافقین ہمیشہ جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں دردناک عذاب میں ہوں گے۔

ملاحظات:

① عہد نبوی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں اور بدزبانیاں کرنے والے منافقین کے واقعات کا جائزہ لیں تو ان کی یہ حرکات خفیہ خفیہ ہی سرزد ہوتی تھیں اور ظاہر ہونے پر جب ان سے پوچھا جاتا تو یہ اپنے کیے ہوئے عمل سے بدل جاتے یا معذرت پیش کرنے کے ساتھ اپنے ظاہری ایمان واسلام کے ساتھ سچے ہونے کی قسمیں بھی اٹھا جاتے تھے۔اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کے دل کریدنے کی ہمیں ضرورت نہیں اور جو ظاہر ہوتا اس کا اعتبار کرتے ہوئے ان کا معاملہ اللہ کے ذمے کر دیتے تھے۔

② مذکورہ واقعہ میں جب عبداللہ بن ابی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے یہ باتیں کی ہیں تو یہ صاف انکار کر گیا اور اپنے سچا ہونے پر قسمیں کھا گیا تو ایسے میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے شکایت کرنے والے صحابی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کو جھوٹا جانا اور اسے ڈانٹ ڈپٹ بھی کی کہ ایسی بات کیوں کی گئی۔

③ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معمول کے مطابق کوچ کرنے کے وقت کی بجائے اس منافق کی یہ بات معلوم ہونے پر اسی وقت فوراً کوچ کرنے کا حکم فرمایا گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی پکڑ تو کرنا ہی چاہتے تھے مگر بظاہر اس کے مکر کی وجہ سے اس کا جرم ثابت ہی نہ ہو سکا۔

④ بظاہر یہ منافقین مسلمانوں کے ساتھ نمازیں پڑھتے، جہاد میں شامل ہوتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے ہونے کی بھرپور تائید بھی کرتے تھے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہی موجود ہے کہ جب نبی e خطبہ دیتے تو یہ رئیس المنافقین کھڑا ہو کر لوگوں سے کہتا کہ یہ ہمارے

سچے نبی ﷺ ہیں جو کہتے ہیں سچ ہے ہمیں اس پر عمل کرنا چاہیے۔ گویا آپ ﷺ کے خطبہ کے ساتھ ہی یہ پوری پوری تائید کرتا جاتا تھا۔

⑤ گویا ظاہراً توان منافقین کا ایمان و اسلام ہی نظر آتا تھا مگر باطن میں یہ اپنے کفر و نفاق کو پوشیدہ رکھے ہوئی تھے۔

سوالات:

آج جو لوگ عبد اللہ بن ابی اور دیگر منافقین کے کفر و نفاق والی من پسند دلیلیں موجودہ طاغوتوں اور ائمہ کفر کے حواریوں پر چسپاں کرتے ہیں کیا کبھی ان کے ذہنوں میں یہ سوال بھی پیدا ہوئے ہیں کہ

① نبی ﷺ کے دور کے منافقین تو اپنے کفریہ اعمال اور جرائم سے انکار کرتے یا مکر جاتے تھے اور مقابلۃً اپنے اسلام کا بھرپور اظہار کرتے تھے۔ تو کیا آج کے یہ باغی اور سرکش بھی ایسا ہی کرتے ہیں؟

② وہ منافقین تو اپنے سچے ہونے پر قسمیں اٹھاتے تھے تو کیا یہ بھی اپنے کفریہ اقوال واعمال کے انکار پر ایسا ہی کرتے ہیں؟

③ اُن کا کفر و نفاق پوشیدہ اور ایمان و اسلام ظاہر ہوتا تھا تو آج ان کا بھی یہی حال ہے یا اس کے برعکس کفر و نفاق واضح، اعلانیہ و ببانگ دہل ہے اور پتہ نہیں اسلام پوشیدہ حالت میں بھی ہے یا نہیں؟

④ نبی ﷺ کے دور کے منافقین نے مسلمانوں کے خلاف لڑی جانے والی کتنی لڑائیوں میں کفار کے ساتھ شامل ہو کر اسلام کے خلاف لشکر کشی کی یا جنگ لڑی؟

⑤ اُن منافقین نے کتنے مجاہدین پکڑنے میں کفر کا ساتھ دیا جاسوسیاں کیں یا خود کتنے مسلمانوں کو پکڑ کر عالمی طاغوتوں و فرعونوں کے حوالے کیا؟

⑥ اُن منافقین نے مسلمانوں کے کونسے علاقے خطے، وسائل کافروں کے حوالے کئے یا ایسا کرنے کا سبب بنے؟

⑦ عہد نبوی ﷺ میں منافقین نے کتنی پاکدامن عصمتوں، حوا کی بیٹیوں کو پکڑ کر درندہ صفت کفار کے سپرد کیا کہ تم ان کے ساتھ جو مرضی کرو اور خود دختر فروشی جیسے لقب پائے؟

⑧ اُن منافقین نے کتنے علماء حقہ کو پابند سلاسل کیا قید میں ڈالا یا کتنے مدارس و مساجد کو آتش و بارود سے شہید کیا تھا؟

⑨ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے منافقین نے کتنے خطوں یا علاقوں پر اسلام کے مقابلے میں کفار کے نظام چلائے کتنی حدود اللہ کو پامال کیا اور کتنے مسلمانوں کو اپنے ظلم کے تحت رکھا یا شہید کیا؟

⑩ وہ منافقین دین اسلام کے کتنے واجبات و فرائض کے تارک و منکر تھے اور آج کیا حالت ہے؟

⑪ کیا منافق اور مرتد میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

⑫ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جن مانعین زکوۃ سے قتال کیا ان کا کوئی اور جرم بھی تھا یا صرف ایک فرض (زکوۃ) کے انکار کی وجہ سے ہی ان کو مرتد سمجھا اور قتل کیا تھا؟

حاصل کلام:

ان واقعات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے عہد نبوی میں اصل مرتد کے حکم کو پہنچنے والے کبھی ظاہر ہوئے ہی نہیں تھے اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد جتنے فتنوں نے سر اٹھایا ان کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بروقت مقابلہ کیا، مرتدین سے لڑائیاں لڑیں اور انہیں تہہ تیغ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اس لیے ہمیں کم از کم منافق و مرتد اور کافر میں فرق و پہچان سے تو آگاہ رہنا چاہیے اور اسی سے ملت اسلامیہ کا دفاع ممکن ہو گا۔

باب نمبر:۷

توحید حاکمیت سے غفلت اور باطل نظاموں کا تسلط

اقسام توحید باری تعالیٰ:

توحید کی عام طور پر تین قسمیں بیان کی جاتی ہیں:

① توحید ربوبیت

② توحید الوہیت

③ توحید الاسماء والصفات

توحید ربوبیت میں افعال اللہ تعالیٰ کے ہوتے ہیں جبکہ توحید الوہیت میں افعال بندے کے ہوتے ہیں۔ توحید ربوبیت یہ ہے کہ اللہ کو اس کے تمام افعال میں ایک مانا جائے اور توحید الوہیت یہ ہے کہ بندہ اپنے تمام افعال کو اللہ کے لئے خالص کر دے۔(عقیدہ ومنہج ص74)

دیکھا جائے تو توحید ربوبیت کے تو مشرکین بھی قائل اور اقراری تھے۔ جبکہ توحید الوہیت اور اسماء وصفات میں شرکیہ اعمال وعقائد رکھتے تھے اور آج بھی ایسا ہی ہے۔

توحید الحکم (حاکمیت میں توحید)

عام طور پر علماء نے حاکمیت میں توحید کے مسئلہ کو توحید الوہیت یعنی توحید عبادت کا حصہ قرار دیا ہے اور اسے الگ طور پر بیان نہیں کیا۔ لیکن بہت سے علماء وہ بھی ہیں، جو حکم (حاکمیت) کے مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر اسے الگ طور پر بیان کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حکم کا مسئلہ عبادت کا اہم ترین جز ہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ جس کو حکم کا حق دے گا، اس کے سامنے ہی جھکے گا اور اسی کی اطاعت کرے گا۔ اسلام میں حکم کا حق صرف رب العالمین کا ہے۔ اللہ کے سوا کسی فرد، جماعت، طبقہ یا مجموعی طور پر

پوری امت کو بھی حکم کا حق حاصل نہیں ہے۔ اصولی طور پر اللہ کے سوا جس کو بھی حکم کا حق دیا جائے گا، اسے اللہ کا شریک بنایا جائے گا۔ تمام انسان اللہ کے بندے ہیں۔ سب اسی کا حکم ماننے کے پابند ہیں۔ اللہ کا حق ہے کہ وہ بندوں کو حکم دے اور بندوں کا فرض ہے کہ سب اس کی اطاعت کریں۔ اسی سے ہر قسم کا عدل قائم ہوتا ہے اور ظلم کے دروازے بند ہوتے ہیں۔(عقیدہ و منہج ص 108)

حکم دو قسم کا ہے:

① حکم تکوینی　　② حکم تشریعی

حکم تکوینی:

یہ ہے کہ جس میں انسان کے ارادے کا کوئی دخل نہیں۔ مثلاً بیماری آجانا، پیدائش وغیرہ۔ انسان چاہے یا نہ چاہے بہت سے امور اس کے اعتبار یا ارادے کے بغیر وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ مسلمان کا اس پر ایمان ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے نفع و نقصان، صحت و بیماری اور موت و حیات، اس میں بندے کے اختیار کا دخل نہیں ہوتا۔(انسان کے تمام دنیاوی معاملات حکم تکوینی میں شامل ہیں)

حکم تشریعی:

وہ ہے جس کی اطاعت کے لئے اللہ نے شریعتیں نازل کی ہیں۔ انبیاء و رسل علیہم السلام اور کتب کے ذریعے حلال و حرام اور اوامر و نواہی اور معاشرتی زندگی گزارنے کے لئے ہدایات، آداب، اخلاق مقرر کئے ہیں اور عبادات و معاملات متعین فرمائے ہیں۔ مسلمانوں کو پابند کیا جاتا ہے کہ وہ احکام الٰہی کو اپنی زندگیوں اور معاشروں میں قائم کریں۔ ان پر عمل کریں ان کی دعوت دیں اور ان کے غلبہ کے لئے جہاد کریں۔

یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ شریعت کے احکام بنانے کا اختیار انسانوں کو حاصل نہیں ہوتا۔ صرف انہیں نافذ کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ اسی اختیار میں بندوں کا امتحان ہے کہ وہ انسانی ضابطوں، قوانین اور ڈھانچوں کو پسند کرتے ہیں اور ان کو نافذ کرتے ہیں یا اللہ کا حکم قائم کرکے اپنے آپ کو اللہ کا تابع بنالیتے ہیں۔

حاکمیت سے مراد یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ یعنی فرمانروائی کا حق کسے دیا جاتا ہے۔ یعنی مقتدر اعلیٰ (Sovereign) کون ہے۔ یہ مسئلہ ہمیشہ ادیان و نظریات میں زیر بحث رہا ہے۔

اللہ کی نازل کردہ شریعتوں اور انبیاء و رسل علیہم السلام نے ہمیشہ یہ وضاحت کی کہ حاکمیت یعنی فرمانروائی کا حق صرف رب العالمین کا ہے۔ اس نے ساری کائنات پیدا کی ہے۔ تمام مخلوق اسی کے حکم پر قائم ہے اور اسی کی فرمانبردار ہے۔ اسی لئے زمین و آسمان اور سورج چاند ستاروں وغیرہ ہر چیز کا نظام صحیح چل رہا ہے۔ اسی اللہ کا حکم انسانوں پر بھی چلنا چاہئے۔ اگر کائنات میں دو رب مان لئے جائیں تو کبھی نظام نہیں چل سکتا۔ فطرت بھی یہی تقاضا کرتی ہے۔ اللہ کی شریعت دنیا میں جاری فطرت کے ساتھ پوری مطابقت رکھتی ہے۔ اس لئے کہ جس نے فطرت بنائی، اسی نے شریعت بنائی۔ اگر دونوں کا خالق الگ الگ مان لیا جائے تو بگاڑ کے سوا کچھ نہیں ہو گا اور اسی کا بگاڑ دنیا میں ہمیشہ دیکھا گیا۔ یہی ظلم عظیم ہے کہ اللہ کا حق دوسروں کو دے دیا گیا۔ اس ظلم سے ہی دنیا میں ہر قسم کا ظلم پھیلتا ہے۔ اس بڑے ظلم کے خاتمے کے لئے اللہ کے نبی، رسول اور کتابیں اور شریعتیں آئیں۔ اللہ کے نبی اور شریعتیں انسانوں کو اللہ کی طرف بلاتی رہیں اور ظلم کا خاتمہ کر کے اصلاح کرتی رہیں۔ کسی نبی نے صرف دعوت کے ساتھ لوگوں کو ظلم سے باز رکھنے کی کوشش کی اور اللہ کا حکم پہنچایا اور کچھ نبی ایسے بھی تھے جنہیں دعوت کے ساتھ جہاد کی ذمہ داری بھی دی گئی کہ قوت تیار کر کے ظلم کے خلاف سینہ سپر ہو جاؤ اور دنیا سے ظلم مٹا کر اللہ کا حکم قائم کر دو۔ آخری نبی محمد ﷺ کو دعوت کے ساتھ جہاد کی فرضیت بھی سونپی گئی اور انہیں مامور کیا گیا کہ تمام ادیان پر اسلام کو غالب کر دو۔ چنانچہ نبی ﷺ نے خود دعوت کے ساتھ جہاد کیا اور اپنی امت کو اس کا پابند بنایا اور قیامت تک جہاد و قتال کو جاری رکھنے کا حکم دیا اور اس کا بنیادی مقصد یہ قرار دیا کہ اللہ کا حکم بلند ہو اور غیر اللہ کے کلمے سرنگوں ہو جائیں۔ (عقیدہ و منہج ص: 110,108)

اللہ سے بغاوت کا نیا انداز فرد واحد اور اکثریت کی آمریت:

قدیم دور میں زیادہ تر انحصار اس بات پر رہا ہے کہ بعض انسان اپنے آپ کو حاکم مطلق سمجھ لیتے یا لوگ ان کی کہی ہوئی بلکہ خواہش کی ہوئی ہر بات کو حکم کا درجہ دیتے اور ان کے سامنے جھک جاتے۔ ایسے بہت سے فرعون انسانی تاریخ میں ملتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں اللہ کی ربوبیت، الوھیت اور حاکمیت کا اعلان کرنے والے اور فرعونوں سے اس مسئلے پر لڑنے والے اللہ کے بندے بھی ملتے ہیں۔ لیکن آخری امت میں حاکمیت کا رنگ ذرا بدلا ہے۔ عام طور پر کسی نے اپنے آپ کو رب بنا کر تو اپنا حکم منوانے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ غیر اسلامی مذاہب و نظریات سے فائدہ اٹھا کر اور انہیں اسلام میں داخل کر کے حاکمیت کا رنگ بدل دیا۔ بعض نے

اپنے آپ کو ظل الٰہی کے طور پر پیش کیا اور لوگوں نے بھی ان کو یہ حق دیا کہ ان کی خواہش اللہ کا حکم ہے۔ اس سے ظالم بادشاہ من مانی کرتے رہے۔ مسلم معاشروں میں ظلم پھیلتا رہا۔ پھر جدید دور میں چونکہ مغرب کو سیاسی اور معاشرتی تسلط حاصل تھا۔ اس لئے ان کا نظریہ جمہوریت پھیلا اور مسلمان ملک اور معاشرے ان سے متاثر ہوئے۔ خصوصاً اس لئے کہ بیشتر مسلمان علاقے بڑی دیر تک مغربی ملکوں برطانیہ وغیرہ کے زیر حکومت رہے۔ اسی ذریعے سے یہ نظریہ پھیلا کہ حاکمیت یعنی اقتدار اعلیٰ کا حق ریاست کے تمام افراد کو مجموعی طور پر حاصل ہوتا ہے۔ ان کی نمائندگی چونکہ پارلیمنٹ کرتی ہے، جس کا انتخاب عوام کرتے ہیں، تو حاکمیت کا حق عوامی نمائندوں کو حاصل ہوتا ہے۔ ان کو حق ہوتا ہے کہ عام لوگوں کے فائدے کے لئے وہ جو چاہیں دستور اور قانون وضع کریں۔ ان کی اکثریت سے حکومت بنتی ہے، جو دستور و قانون کو نافذ کرتی ہے۔ یہ پورا نظام عوام کی حاکمیت پر قائم ہوتا ہے۔ یہی نظام تھوڑی بہت تبدیلیوں کے ساتھ اکثر ملکوں میں نافذ ہے اور عالمی سطح پر اسے تسلیم کیا گیا ہے۔ صرف اسلام نے اسے قبول نہیں کیا۔ باقی سب مذاہب اور قوموں نے بعض تبدیلیوں کے ساتھ مانا ہوا ہے۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ بہت سے مسلمانوں نے بھی اسے قبول کیا ہوا ہے۔ وہ عالمی حالات کے مطابق چلنا چاہتے ہیں لیکن عالم کے رب اور اس کے دین کی پروا نہیں کرتے۔

حقیقت یہ ہے کہ حاکمیت یعنی اقتدار اعلیٰ کا حق اللہ کے سوا کسی کو سونپنا صریحاً کفر اور شرک ہے۔ وہ بادشاہ ظالم تھے جن کا حق حاکمیت تسلیم کر کے ان کی غلامی کی گئی۔ اسی طرح بعض طبقوں اور جماعتوں کو اقتدار اعلیٰ کا حق دے کر دنیا میں آمریت کے نظام قائم کئے گئے جیسا کہ بہت سے کیمونسٹ ملکوں میں آمریت چلتی رہی ہے۔ آمریت بھی اسی طرح کا ظلم ہے۔ اور ریاست کے عوام کو حق حاکمیت دینا اور ان کے منتخب نمائندوں کے ذریعے اقتدار اعلیٰ کو ریاست میں قائم کرنا اور اس کے لئے دستور و قانون وضع کرنا بھی صریح ظلم ہے۔ کوئی فرد یا جماعت یا سب عوام اقتدار اعلیٰ کا حق نہیں رکھتے۔ ان اصولوں پر بنے ہوئے سب نظام اللہ کے خلاف کھلی بغاوت ہیں۔ ان کا اپنا کوئی حق حاکمیت نہیں ہے اور نہ ہی وہ اللہ کے حق حاکمیت میں شریک ہیں۔ سب اللہ کے بندے ہیں۔ کچھ اللہ کی بندگی کو مانتے ہیں، جو مسلمان کہلاتے ہیں اور کچھ اللہ کی بندگی سے انکاری ہیں وہ مسلمان نہیں ہیں۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اللہ کا حکم قائم کریں۔ موجودہ دور میں پارلیمنٹ کے حق حاکمیت پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ بہت سے جدید علماء بھی جدید فکر سے متاثر ہو کر ایسی بات کہہ رہے ہیں۔ اس سلسلے میں اللہ کے قرآن کی رہنمائی ضروری ہے۔ قرآن نے یہودیت اور عیسائیت کو ہدف تنقید بناتے ہوئے بتایا کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے پیشواؤں کو رب مان کر ان کی اطاعت شروع کی ہوئی تھی سورۃ التوبہ میں ہے:

"انہوں نے اپنے علماء ومشائخ کو اللہ کے سوا رب بنالیا تھا۔"

آیت قرآنی میں احبار اور رھبان کے الفاظ ہیں۔ احبار یہود کے بڑوں کو کہا جاتا تھا اور رہبان راہب کی جمع۔ اس سے مراد نصرانیوں کے پیشوا ہیں۔ انہیں رب کیوں کہا گیا۔ اس کی وضاحت عدی بن حاتم والی روایت سے ہوتی ہے۔ جسے ابن کثیر اور دیگر معتبر تفاسیر نے بیان کیا ہے۔

عدی بن حاتم جو پہلے نصرانی تھے، نے قرآن کے اس بیان کے بارے میں نبی ﷺ سے وضاحت پوچھی۔ کہنے لگے کہ اسلام سے پہلے ہم نے کبھی اپنے احبار ورہبان کو رب نہیں بنایا تھا۔ پھر قرآن نے ایسا کیوں کہا۔ اس پر نبی ﷺ نے عدی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا یہود و نصاریٰ ان پیشواؤں کو حق نہیں دیتے کہ وہ جو حکم دیں اسے مان لیا جائے۔ حلال و حرام کے بارے میں بھی حکم جاری کرنے کا کیا انہیں اختیار نہیں دے رکھا اور ان کے حکم پر عمل نہیں کرتے؟ تو عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے تصدیق کی کہ بالکل ایسا ہی ہے۔ انہیں حکم کا اختیار حاصل ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا، یہی تو ان کو رب بنانا ہے۔ قرآن نے اس معنی میں ان کی ربوبیت کی بات کی ہے۔ (ترمذی، مسند احمد)

قرآن نے وضاحت کی ہے کہ اللہ ہی الہ واحد ہے۔ اسی کی عبادت ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی کو حاکمیت کا حق دینا اسے رب اور الہ ماننا ہے۔ آج مسلم ملکوں میں پارلیمنٹ کو اختیار دے دیئے گئے ہیں۔ حکومتیں اور عوام ان کی پابندی کرتے ہیں۔ سورہ یوسف میں اسے ہی دین بنانا کہا گیا ہے۔ سیدھا صاف دین یہ ہے کہ صرف اللہ کے حکم کی اطاعت ہو اور کسی کو حکم کے حق میں اللہ کا شریک نہ بنایا جائے۔

سورۃ الشوریٰ میں فرمایا:

> ”کیا ان کے وہ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کیا ہے۔ جس کا حکم اللہ نے نہیں دیا۔ اگر فیصلے کے دن کا وعدہ نہ ہوتا تو ان میں فیصلہ کر دیا جاتا اور جو ظالم ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔“ (شوریٰ 21)

سورۂ شوریٰ میں تشریع لغیر اللہ کے بارے میں دو باتیں کہی گئی ہیں۔ پہلی یہ کہ جو لوگ اپنے طور پر بندوں کے لئے تحکیم شریعت کے اختیارات رکھتے ہیں۔ وہ اللہ کے شریک ہیں۔ دوسرے ایسے عقیدے رکھنے والے لوگوں کے بارے میں سخت وعید

بیان فرمائی ہے۔ صحیح عقیدہ اور منہج یہ ہے کہ دین حکم اللہ کی اطاعت کا نام ہے۔ یہ حق نہ کسی فرد کو دیا جاسکتا ہے اور نہ مجموعی طور پر جماعت یا امت کو یہ حق حاصل ہے۔(عقیدہ و منہج ص:112 تا115)

اسلامی جمہوریت کا دھوکا:

آج بڑا مغالطہ یہ ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ مسلمان ارکان کی پارلیمنٹ بحیثیت مجموعی حاکمیت کا حق رکھتی ہے۔ کیونکہ عام لوگوں نے ان کو اعتماد دیا ہوتا ہے۔ پھر چونکہ وہ مسلمان ہوتے ہیں اور ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ وہ تو اللہ کے حق کو بخوبی سمجھتے ہیں تو وہ اللہ کے شریک کیسے بن سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو یہ اختیار دیا ہی نہیں۔ چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ لیکن پارلیمنٹ کو آج یہ اختیارات حاصل ہیں دوسری بات یہ ہے کہ عملاً مسلمان ملکوں میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ کھلی اللہ کی بغاوت ہے۔ پارلیمنٹ میں جو چیز منظور ہو جاتی ہے وہ نافذ ہو جاتی ہے۔ آج اگر کوئی مسلمان جج قرآن کے واضح حکم پر فیصلہ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ وکلاء اسے فوراً ملکی قانون کا حوالہ دیں گے جسے پارلیمنٹ کا پورا تحفظ حاصل ہو گا۔ وہاں مسلمان جج مجبور ہو جائے گا۔ اسے قرآن کا حکم چھوڑ کر پارلیمنٹ کا منظور شدہ قانون ماننا پڑے گا۔ اگر کوئی شخص پاکستان میں کہے کہ بنک کے قرض پر سود ادا نہیں کروں گا کیونکہ یہ شریعت کے صریحاً خلاف ہے تو حکومت حرکت میں آئے گی اور اس کی جائیداد ضبط کرلی جائے گی۔ اللہ کا حکم نہیں سنا جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ باطل نظاموں کی تاویلیں کرنے کی بجائے ان کی ایسی حقیقی اور عملی شکل کو دیکھا جائے کہ کس طرح اللہ کے حکم کو ردّ کیا جاتا ہے۔ اور اپنے حکم چلائے جاتے ہیں۔(عقیدہ و منہج ص115)

اللہ کی حاکمیت اور نبی ﷺ اور امیر کی اطاعت کی حیثیت:

اللہ کے حق حاکمیت کی وضاحت کے بعد سوال یہ سامنے آتا ہے کہ نبی ﷺ اور حکومت کی کیا حیثیت ہے؟ اس کی وضاحت کے لئے پہلے اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے کہ مصدر حاکمیت بلا شرکت غیرے اللہ رب العالمین ہے۔ لیکن نبی ﷺ کی حیثیت یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے مامور ہیں۔ وہ خود بخود نہیں بلکہ اللہ نے انہیں مطاع بنایا ہے، یعنی ان کی اطاعت کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ والدین اور حکومت کی اطاعت بھی اللہ کے حکم سے ہے۔ مخلوق میں سے کسی کا حکم اللہ سے ٹکرا جائے تو اس کا حکم نہیں مانا جائے گا۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ نبی کی بات اور اللہ کے حکم میں ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ بعض لوگ غلط عقیدے یا بد نیتی کی وجہ سے اللہ اور رسول ﷺ کے درمیان اختلاف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور قرآن و حدیث میں اختلاف بیان

کرتے ہیں۔ دراصل وہ حدیث کا انکار کرتے ہیں اور قرآن کی تشریحات اپنی مرضی سے کر کے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں۔ نبی ﷺ کو اللہ نے اطاعت کے اعتبار سے مقام دیا ہے۔ فرمایا:

"جو چیز نبی ﷺ دیں اسے لے لو اور جس سے منع کر دیں، اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ سخت پکڑنے والا ہے۔"

اسی طرح فرمایا:

"جو رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔"

لیکن نبی ﷺ کے بعد امراء یا ائمہ حکومت کی اطاعت کو اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ مشروط کر دیا گیا۔ گویا کہ کوئی حاکم اپنی اطاعت کا حکم نہیں دے سکتا بلکہ وہ خود بھی اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا اور ماتحتوں کو بھی اللہ اور رسول ﷺ کا تابعدار بنائے گا۔ یہی اسلامی حکومت ہے۔ اگر حاکم خود غلطی کر لے تو دوسروں کو غلطی کا پابند نہیں بنائے گا بلکہ انہیں اللہ کی شریعت پر چلائے گا۔ حاکم کی غلطی امت کے لئے دلیل نہیں ہے۔ حاکم کی غلطی پر رعایا باز پُرس کر سکتی ہے۔ اسے تنبیہ کر سکتی ہے۔ اور افراد امت کا فرض ہے کہ وہ حاکم کو نصیحت کریں۔ اسلام میں حاکم آمر مطلق نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا فرض ہے کہ وہ مشورہ کر کے فیصلہ کرے۔ مشورہ لینے والوں اور مشورہ دینے والوں سب پر لازم ہے کہ وہ اللہ اور رسول ﷺ کے حکم تک پہنچنے کی کوشش کریں اور سب کے پیش نظر امت کی فلاح ہونی چاہئے۔ کوئی ذاتی مقاصد نہیں ہونے چاہئیں۔ اس اعتبار سے اسلام میں حکم اور اس کے نفاذ کا اپنا ایک نظام ہے۔ وہ دوسرے تمام نظاموں سے قطعی مختلف ہے۔ اسے بادشاہت، آمریت یا جمہوریت میں سے کسی پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ (عقیدہ و منہج ص116)

اسلام اور جمہوریت متضاد ہیں:

پہلوں نے اگر اسلام کے نام پر بادشاہتیں قائم کیں اور کرسیوں پر لڑائیاں کیں اور اپنی آمریتیں چلائیں تو جدیدیت کے حامیوں نے بڑی کوشش کے ساتھ اسلام کے نظام حکم کو جمہوریت سے ہم آہنگ کیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مغربی طرز جمہوریت کی اصلاحات کو اسلامائز کرنے کی کوشش کی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جمہوریت کی روح پروان چڑھی ہے۔ مسلم معاشرے اور ملک الحاد کی طرف بڑھے ہیں۔ وضعی دستور اور قانون کی اطاعتیں ہوئی ہیں۔ اللہ کا حکم بھی قائم نہیں ہو سکا۔ مسلم ملکوں میں اسلام پسند طبقے

جمہوری حکومتوں سے مطالبے ہی کرتے رہ جاتے ہیں کہ اسلام کی حکمرانی قائم کی جائے، اس کے لئے فلاں دستوری ترمیم ضروری ہے۔ بڑے شور ڈالنے سے اسلام کی بعض شقوں کو اگر شامل کر لیا جاتا ہے۔ تو یہ وہ شقیں ہوتی ہیں جو وضعی دستور اور قوانین کے بنیادی ڈھانچے کو نہیں بدلتیں۔ ان سے معاشی اور سیاسی تبدیلیاں رونما نہیں ہو سکتیں............... صرف دکھاوا ہوتا ہے۔ کہیں بھی اس طریقے سے اللہ کی حاکمیت اور اطاعت کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ اگر کہیں اسلام پسند جماعتوں کی محنت سے دستور میں اللہ کو حاکم مطلق کہا گیا تو اسے دساتیر کے عملی طریق کار کے قوانین میں لا کر بے اثر کر دیا گیا۔ ان دستوروں کی موجودگی میں کبھی عدالتیں اللہ کی شریعت پر فیصلہ نہیں کر سکیں۔ ملکوں میں عوامی حاکمیت کا نظام ہے، جسے جمہوریت کہتے ہیں اور سیاسی طبقے ہمیشہ اسے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ بعض مسلم ممالک میں اسی کا نام اسلامی جمہوریت رکھ دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور جمہوریت متضاد ہیں۔ اسلام اللہ کی حاکمیت پر قائم ہوتا ہے۔ اور جمہوریت عوام کی حاکمیت پر قائم ہوتی ہے۔ مسلم ممالک میں جہاں بھی جمہوریت آئی، اس نے اپنے گل کھلائے۔ اس نے ہر جگہ مسلمانوں میں بگاڑ اور الحاد پیدا کئے۔ اس کی بنیاد ہی عوامی حاکمیت پر ہے۔ مسلمان نمائندے جہاں بھی منتخب ہو کر گئے، انہوں نے ہر جگہ اللہ کی حاکمیت کے مقابلے میں غیر اللہ کے نظام قائم کئے۔ مصر میں ایسا ہی ہوا اور پاکستان میں عرصہ دراز سے یہی کچھ ہو رہا ہے۔ مقننہ اور عدلیہ میں مسلمان ہی یہ سب کچھ کرتے رہے ہیں۔

موجودہ جمہوری نظام میں مجلس قانون ساز کو اس بنیاد پر منتخب کرنا کہ انہیں اختیار سونپا جائے کہ وہ بندوں کے حقوق کے ضمن میں قوانین وضع کریں، پھر اپنے بنائے ہوئے قوانین سے بندوں کے حقوق کا فیصلہ کریں۔ یہی اصولی طور پر غلط ہے۔ اللہ نے بندوں کے حقوق مقرر کر دیئے ہیں۔ اللہ کی نازل کردہ شریعت میں حقوق کا بیان اور ضابطے موجود ہیں۔ ان پر مزید قانون سازی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جو اللہ کے قانون پہ قانون بناتا ہے، وہ اللہ کا شریک بنتا ہے۔ کسی فرد یا ادارے کو اس کا حق حاصل نہیں۔ (عقیدہ و منہج ص118)

حکومت کا قانون بنانے اور اجتہاد کا دائرہ:

ایک اہم سوال یہ ہے کہ کیا حکومت قانون بنا ہی نہیں سکتی یا بعض امور میں قانون بنا سکتی ہے اور اس کا دائرہ کیا ہو گا؟ اس کی وضاحت کے لئے اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ شریعت میں دو قسم کے امور ہیں۔ کچھ امور وہ ہیں جنہیں اللہ نے شرح و بسط کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ وہ قرآن میں ہوں یا ان کی وضاحت احادیث رسول ﷺ میں ہو۔ نماز، روزہ اور دیگر ارکان عبادات کی ذیل میں آتے ہیں اور معاملات میں نکاح، طلاق، وراثت کی تقسیم وغیرہ ہے۔ اسی طرح حدود جو جرائم پر لاگو ہیں (فوجداری قوانین

وغیرہ)وہ چیزیں ہیں، جو شریعت میں مقرر کر دی گئی ہیں، ان میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ ان پر اجتہاد کرنا یا حالات کی مطابقت سے ان میں ترمیم کرنا کسی شکل میں بھی ممکن نہیں ہے۔ ان کے بارے میں شریعت کا حکم معلوم کرنا اور ان پر عمل کرنا فرض ہے۔ کچھ چیزیں ہر فرد کو ذاتی طور پر پابند کرتی ہیں۔ کچھ چیزیں اجتماعی ہیں۔ وہ حکومت کے دائرے میں آتی ہیں۔ ان کا قائم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ لیکن کوئی حکومت یا پارلیمنٹ ان کے بارے میں قانون سازی نہیں کر سکتی۔ سب اللہ کے حکم کی پابندی کریں گے۔ اگر کوئی حاکم یا پارلیمنٹ اللہ کے حکم پر قانون سازی کریں اور اللہ کے حکم پر فیصلے نہ کریں تو وہ اللہ کی بغاوت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اسی کو قرآن نے کفر، ظلم اور فسق قرار دیا ہے۔ اور ایسے لوگوں کو کافر، ظالم اور فاسق کہا ہے۔

☆ "اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہ کریں تو یہی لوگ کافر ہیں۔" (المائدۃ44)

☆ "اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہ کریں تو یہی لوگ ظالم ہیں۔" (المائدۃ45)

☆ "اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہ کریں تو یہی لوگ فاسق ہیں۔" (المائدۃ47)

دوسرے امور تدبیری ہیں۔ ان کا حالات سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ مثلاً جنگ کے حالات وغیرہ۔ ان امور میں حکومت مشورہ کرتی ہے اور اجتماعی مفاد میں فیصلے کرتی ہے۔ طے شدہ امور میں مشورہ اور اجتہاد وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اجتہاد تدبیری امور میں ہے۔ اجتہاد سے مراد یہ ہے کہ پیش آمدہ جدید مسائل میں بھی شریعت سے مخصوص حکم معلوم کیا جائے۔ یہ علماء شریعت کا کام ہے۔ بعض ملحدین نے اجتہاد سے یہ مراد لیا ہے کہ جہاں قرآن و حدیث خاموش ہوں، وہاں مصالح عامہ میں اپنی دانش اور حالات کے تقاضے کے تحت فیصلے کئے جائیں۔ اس سے جدیدیت کے حامیوں نے الحاد کا دروازہ کھولا ہے۔ بظاہر یہ لوگ کہتے یہ ہیں کہ ہم اجتہاد کا دروازہ کھول رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن و حدیث کو خود خاموش کر کے اجتہاد کا دروازہ بند کرتے ہیں۔ اور الحاد کا دروازہ کھولتے ہیں۔ عموماً حکومتوں نے مالی، سیاسی اور جہاد وغیرہ کے امور میں بالخصوص یہی کچھ کیا ہے۔ آہستہ آہستہ انہوں نے اللہ کی شریعت کو ہی بدل دیا۔ حتیٰ کہ حلال و حرام کا مسئلہ جو کہ شریعت میں طے شدہ ہے، ان طے شدہ مسائل کو بھی اجتہاد کے لئے تختہ مشق بنایا گیا۔ عموماً ایسی ہی قانون سازیاں پارلیمنٹ میں ہوتی رہی ہیں۔ پاکستان میں عائلی قوانین اور مالیاتی قوانین اس کی بڑی بڑی مثالیں ہیں۔ سود اور حرام کاروبار کو تحفظ بھی پارلیمنٹ نے ہی دیا۔ جدید دور میں اس کو خدا کا درجہ دے دیا گیا ہے، جس کا اختیار سب پر ہوتا ہے اور اس پر کسی کا اختیار نہیں چلتا۔ پہلے زمانوں میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک بنایا جاتا۔ مشرکین

مکہ شریکوں کو اللہ سے چھوٹا سمجھتے۔ لیکن جدید دور میں اللہ کا حکم بھی معاذ اللہ پارلیمنٹوں پر نہیں چلتا۔ اللہ کے حکم کے سامنے حکام بولتے رہتے ہیں۔ لیکن پارلیمنٹ کے سامنے خاموش ہو کر آداب بجالاتے ہیں۔ ایسا بڑا شرک تو پہلے مشرکین میں بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ اس کے باوجود ہمارے ہاں اس جدید شرک کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔ جن کے پاس اسلام کی روشنی تھی ہی نہیں، وہ اتنے بڑے شرک کے مرتکب نہیں ہوتے تھے۔ افسوس اس بات پر بھی ہے کہ آج الحاد کا سارا دھندہ اسلام کی روشنی کے نام پر ہو رہا ہے۔ اور بعض علم دان بھی اس عمل میں شریک ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ آج ہم توحید حاکمیت پر بھی اتنا ہی زور دیں جتنا کہ توحید کی باقی قسموں پر دیتے ہیں۔(عقیدہ و منہج ص119 تا121)

بدترین سیاسی نظام بلکہ بدترین دین:

محترم حافظ عبد السلام بھٹوی صاحب لکھتے ہیں کہ:

اس وقت جمہوریت کو دنیا کا بہترین سیاسی نظام قرار دیا گیا ہے۔

عزیز بھائیو.........!

دنیا میں یہ لہر اتنے زور سے چل رہی ہے کہ اس کے خلاف بات کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ حتیٰ کہ دیندار لوگ بھی اسی لہر میں بہہ گئے ہیں۔ اہل حدیث جو کتاب و سنت کے علاوہ کسی چیز کو مانتے ہی نہیں اہل حدیث ہوتے ہوئے جمہوریت کو برحق ثابت کر رہے ہیں اور اس کے حق میں دلائل تیار کرتے رہتے ہیں اہل حدیث کا ایک عظیم رہنما یہ کہتا ہے کہ جمہوریت تمام سیاسی نظاموں میں سے اسلام کے قریب تر ہے۔ حالانکہ یہ بدترین سیاسی نظام اور صرف بدترین سیاسی نظام ہی نہیں بلکہ ایک بدترین دین ہے جو سراسر اسلام کی ضد ہے۔

جمہوریت کا مطلب عوام کی حاکمیت بتایا جاتا ہے۔ عوام جسے چاہیں حاکم بنائیں عوام جو قانون چاہیں بنائیں قانون سازی عوام کے نمائندے کریں سب سے پہلے تو یہیں سے اسلام اور جمہوریت کا رستہ جدا ہو جاتا ہے۔ اسلام میں قانون اللہ کا چلے گا حکومت کا کام کتاب و سنت پر عمل اور اسے نافذ کرنا ہے اللہ کے مقابلے میں اپنی مرضی چلانا نہیں "حکم صرف اللہ کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں چور کا ہاتھ کاٹ دو عوام کہتے ہیں جیل میں ڈال دو۔ اللہ تعالیٰ نے شراب حرام کی عوام جاری رکھنا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے زنا حرام کیا جمہوریت نے اسے جائز کر دیا حتی کہ سدومیوں (قوم لوط) کا عمل جن کی بستیوں کو الٹا کر پتھروں کی بارش کی گئی تھی

جمہوریت نے جائز کر دیا غرض اس مذہب کا معبود ہی اسلام کے معبود سے جدا ہے۔ اسلام کے معبود کا نام اللہ اور جمہوریت کے معبود کا نام عوام ہے۔

میں نے جمہوریت کو بدترین سیاسی نظام کہا ہے۔ اس لئے کہ اس میں عوام کا نام لے کر عوام کو دھوکا دیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے جمہوریت کا مطلب عوام کی حاکمیت ہے حالانکہ دنیا کے کسی خطے میں عوام کی حاکمیت ایک لمحے کے لئے بھی قائم نہیں ہو سکی۔(مقالات طیبہ ص197،198)

دینی جماعتوں کی بربادی کا اصل سبب بھی جمہوریت ہے:

مثلاً اب اہل حدیث من حیث الجماعت انتخابات میں کھڑے ہوتے ہیں سب سے پہلا اثر اس جمہوریت کا یہ ہوتا ہے کہ جو شخص ووٹ لینا چاہتا ہے وہ کبھی بھی اپنی بات صاف نہیں کر سکتا۔ وہ یہ کہے کہ لوگو! اللہ ایک ہے اس کے علاوہ کسی کو پکارنا شرک ہے یہ پختہ قبریں رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق گرا کر تمام قبروں کے برابر کر دی جائیں کبھی نہیں کہہ سکتا۔

کچھ لوگ ہیں جو اقامت دین کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے ایک رہنما نے بری امام کی قبر پر پھولوں کی چادر چڑھائی۔ یہ اقامت دین کا فریضہ سرانجام دیا جارہا ہے اس نے یہ کام کیوں کیا؟ صرف اس لیے کہ عوام خوش رہیں جب تک لوگوں کو خوش نہ کیا جائے ووٹ ملنا مشکل ہے۔ اور بے دین لوگ دین کی پابندی کس طرح قبول کر سکتے ہیں انھیں خوش کرنے کے لیے تو دین کی پابندیاں نرم کرنی پڑیں گی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے جب بھٹو برسر اقتدار آیا ہم الیکشن کے دنوں میں ایک جگہ باتیں کر رہے تھے لوگ ووٹ دینے کے لیے جارہے تھے کچھ عورتیں گزریں ہمیں دیکھ کر ان میں سے ایک عورت نے دوسری عورت سے کہا ووٹ کس کو دینا ہے دوسری بولی ان مولویوں کو ووٹ دیا تو یہ تو ہمیں ٹی وی بھی نہیں سننے دیں گے۔

مولوی کا نام لے کر دراصل یہ لوگ اسلام کو نشانہ بناتے ہیں ان کا مطلب تھا کہ ہم اسلام کو ووٹ نہیں دیں گی۔ چونکہ اسلام پر براہ راست تنقید کرنا مشکل ہے اس لیے ملحد اور بے دین لوگ اسلام کے ہر حکم کو رد کرنے کے لیے ہی کہہ دیتے ہیں کہ یہ مولوی کی بات ہے ہم اسے نہیں مانتے۔

ان لوگوں کو خوش کرنے کے لیے اور ان کے ووٹ لینے کے لیے اقامت دین کے داعی حضرات بے دینی کے کاموں کو اسلامی بنا کر جاری رکھنے کے وعدے کرتے رہتے ہیں جماعت اسلامی کے کسی لیڈر سے پوچھا گیا کہ اگر تم برسر اقتدار آ گئے تو ان سینماؤں کا کیا بنے گا۔ وہ بولے ہم ان کو اسلامی طریقے سے چلائیں گے اسلامی جمہوریت میں اسلامی سینما کیسا اچھوتا خیال ہے ؟

تو بھائیو بات کیا ہے اس کے پیچھے حقیقت کیا ہے ؟ اصل حقیقت یہ ہے کہ جو شخص جمہوریت کے ذریعے برسر اقتدار آنا چاہتا ہے وہ سچی بات کہہ ہی نہیں سکتا وہ جھوٹ بولے گا جھوٹے وعدے کرے گا دھوکہ دے گا اپنے آپ کو چھپائے گا منافقت اختیار کرے گا اس کے بغیر وہ برسر اقتدار آ ہی نہیں سکتا۔ اس کا نتیجہ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ہمارے اہل حدیث بھائی جس طرح پہلے شرک وبدعت کی بات سن کر تڑپ اٹھتے تھے اب وہ حالت نہیں رہی اب ہمیں شرک وبدعت کے ارتکاب پر اتنی تکلیف نہیں ہوتی اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے ووٹ لینا ہوتا ہے اور ووٹ تب ہی ملیں گے جب ہم ہر ایک کے لیے کچھ نہ کچھ نرم گوشہ پیدا کر لیں گے۔ ﴿وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ﴾ (القلم:68/9)

دینی جماعتوں کی بربادی کا اصل سبب بھی جمہوریت ہے۔

جمہوریت سے ہمارا جماعتی نقصان کتنا ہوا ہے آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ جمعیت اہل حدیث ہو یا پاکستان کی کوئی اور دینی جماعت ہو ایک آدھ چھوڑ کر سب کا نظام جمہوری ہے سب کا دستور کانگریس اور مسلم لیگ کے دستور کا چربہ ہے اور انگریزوں کے طریقے پر بنایا گیا ہے۔ (مقالات طیبہ: 206 تا 207)

ووٹ یا انتخاب یا ہجرت و جہاد ؟

مولانا عبد الرحمن کیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''خلافت و جمہوریت'' میں بہت عمدہ انداز سے جمہوریت کا رد کیا اور ہجرت و جہاد کی ضرورت کو بیان کیا ہے۔

کیا جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کیا جاسکتا ہے؟

اس سوال کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ جمہوریت میں یہ لازمی امر ہے کہ مقتدر اعلیٰ کوئی انسان ہو یا انسانوں پر مشتمل ادارہ۔ انسان سے ماوراء کسی ہستی کو جمہوریت میں مقتدر اعلیٰ تسلیم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ اسلامی نقطۂ نظر سے مقتدر اعلیٰ کوئی انسان ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ مقتدر اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہی وہ بنیادی فرق ہے جس کی بنا پر ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ جمہوریت کے ذریعے اسلام کبھی سربلند نہیں ہو سکتا ہے۔

ترا اے دل امید غمگساری ہاز افرنگ است
دل شاہیں نہ لرزد بہر آں مرغے کہ در چنگ است

گویا بحث یہاں پر ہی ختم ہو جانی چاہیے، تاہم چونکہ ہمارے دستور میں یہ الفاظ شامل کر دیئے گئے ہیں کہ "مقتدر اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہے" اس لئے ہم اس بات کا ذرا تفصیل سے جائزہ لینا چاہتے ہیں کہ آیا ایسا ہونا ممکن ہے بھی یا نہیں؟

فرانس کے منشور آزادی.. جسے موجودہ جمہوریت کی روح سمجھا جاتا ہے.......... کو تیار کرنے والے وہ لوگ تھے جو ایک طرف تو کلیسا کے مظالم اور ٹیکسوں سے تنگ تھے، اور دوسری طرف بادشاہ کی استبداد اور اس کے ٹیکسوں سے۔ لہٰذا وہ مذہب سے بھی ایسے ہی بیزار تھے جیسے کہ بادشاہ اور اس کے استبدادی حکومت سے۔ اس منشور آزادی میں ان کی مذہب سے بیزاری اور بادشاہت سے دشمنی یہ دونوں باتیں واضح طور پر پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ منشور میں جہاں مختلف قسم کی پانچ مساوات کا ذکر ہے، ان میں" سیاسی مساوات "اور" جنسی مساوات" کا جواز غالباً انجیل سے بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ اور کتاب و سنت میں انھیں غلط ثابت کرنے کے لئے اتنی نصوص مل سکتی ہیں کہ ان سے ایک الگ مجموعہ تیار کیا جاسکتا ہے۔

مندرجہ بالا دونوں قسم کی مساوات دراصل ایک ہی اصل یعنی "حق بالغ رائے دہی" کی فروع ہیں اور یہ حق مغربی طرز انتخاب کی جان اور روح رواں ہے۔ مغربی طرز انتخاب کا دوسرا بنیادی اصول "کثرت رائے کو معیار حق" قرار دینا ہے۔ کثرت رائے حاصل کرنے کے لئے امیدواروں کو درخواست، تشہیر، جلسے جلوس، کنوینسنگ اور ایسے ہی دوسرے ہتھکنڈے استعمال کرنا

پڑتے ہیں اور کثرت رائے کے حصول کے لئے ہی مختلف پارٹیاں وجود میں آتی ہیں۔ جن کی ہاؤ وہو اور غل غپاڑے سے ملک انتشار کا شکار ہوتا ہے اور اس کا امن تباہ ہوتا ہے۔

گویا اصل مبحث یہی دو بنیادی اصول ہیں۔ حق بالغ رائے دہی کے حوالے سے انتخاب خلافت راشدہ کی پوری تاریخ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام نہ ہر کس و ناکس سے رائے لینے کی ضرورت سمجھتا ہے۔ اور نہ ہی اسے جائز سمجھتا ہے۔ پھر ہر کس و ناکس کی رائے ہم قیمت یا ہم وزن بھی نہیں ہو سکتی۔ نیز اسلام نے عورت کو ایسے امور سے مستثنیٰ ہی رکھا ہے۔ تاکہ بے حیائی اور فحاشی کو فروغ نہ ہو اور عائلی نظام پر بھرپور توجہ دی جاسکے۔

مغربی جمہوریت کی بنیادیں اور ان کا اسلام سے تضاد:

مغربی جمہوریت میں پانچ ارکان ایسے ہیں جو شرعاً ناجائز ہیں:

① خواتین سمیت تمام بالغوں کا حق رائے دہی (بالفاظ دیگر: سیاسی اور جنسی مساوات)

② ہر ایک کے ووٹ کی یکساں قیمت

③ درخواست برائے نمائندگی اور اس کے جملہ لوازمات

④ سیاسی پارٹیوں کا وجود

⑤ کثرت رائے سے فیصلہ

ان ارکان خمسہ میں سے ایک رکن بھی حذف کر دیا جائے تو جمہوریت کی گاڑی ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتی ہے۔ جبکہ اسلامی نظام خلافت میں ان ارکان میں سے کسی ایک کو بھی گوارہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا یہ دونوں نظام ایک دوسرے کی ضد اور ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔ یعنی نہ تو جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی نظام خلافت میں جمہوریت کے مروجہ اصول شامل کر کے اس کے سادہ، فطری اور آسان طریق کار کو خواہ مخواہ مکدر اور مبہم بنایا جاسکتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جمہوریت

ایک لادینی نظام ہے اور اس کے علمبردار مذہب سے بیزار تھے۔ جب کہ خلافت کی بنیاد ہی اللہ، اس کے رسول ﷺ اور آخرت کے تصور پر ہے اور اس کے اپنانے والے انتہائی متقی اور بلند اخلاق تھے۔

ہمارے خیال میں جیسے دن اور رات یا اندھیرے اور روشنی میں سمجھوتہ ناممکن ہے، بالکل ایسے ہی دین اور لادینی یا خلافت اور جمہوریت میں بھی مفاہمت کی بات ناممکن ہے۔ لہٰذا اگر جمہوریت کو بہر حال اختیار کرنا ہے تو اسے توحید و رسالت سے انکار کے بعد ہی اپنایا جاسکتا ہے۔

باطل دوئی پرست ہے، حق لاشریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

کیا ووٹوں کے ذریعے اسلام لایا جاسکتا ہے یا ہجرت و جہاد سے؟

آج کے اس دور میں بعض اسلامی ذہن رکھنے والے حضرات اور نیک نیتی سے اسلامی انقلاب کے داعی لیڈر جب دیکھتے ہیں کہ اقتدار پر قبضہ کیے بغیر اسلامی نظام کی ترویج ناممکن ہے تو اس کا حل انہوں نے یہ تلاش کیا ہے۔ کہ نیک شہرت والے امیدوار انتخاب کے لئے نامزد کیے جائیں۔ اور عوام میں اسلامی تعلیمات کا پرچار کر کے ایسے نیک نمائندوں کی ہر ممکن امداد پر لوگوں کو ابھارا جائے، تاآنکہ اسمبلی میں نیک لوگوں کی کثرت ہو جائے۔ موجودہ جمہوری دور میں معاشرے کی اصلاح اور اسلامی نظام کی ترویج کی یہی واحد صورت ہے۔

ہمیں افسوس ہے کہ ہم اس سلسلے میں ان کی تائید نہیں کر سکتے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ووٹوں کے ذریعے نہ آج تک کبھی اسلام آیا ہے۔ اور نہ آئندہ آسکتا ہے۔ اگر ایسا ہونا ممکن ہوتا تو انبیاء علیہم السلام اس پُرامن ذریعہ انتقال اقتدار کو ضرور استعمال کرتے۔ بنی نوع انسان کے لئے قرآن کریم اور حضور ﷺ کی سنت سے بہتر دستور ناممکن ہے، اور قرآن کریم کی تبلیغ کے لئے جو انتھک اور جاں توڑ کوششیں حضور اکرم ﷺ نے فرمائیں، دوسرا کوئی نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ کو ایسے جاں نثار اور مخلص پیروکاروں کی ایک جماعت بھی مہیا ہو گئی جو اسلام کے عملی نفاذ کے لئے صرف تبلیغ و اشاعت اور پروپیگنڈا پر ہی انحصار نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنی پوری

پوری زندگیاں اسی قالب میں ڈھال چکے تھے۔ صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کی جماعت گویا قرآنی تعلیمات کے چلتے پھرتے نمونے تھے لیکن تیرہ سال کی انتھک کوششوں کے باوجود یہ نہ ہو سکا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اسلامی ریاست قائم کر لیتے۔

جب ایک بہترین دستور بھی موجود ہو اور اس کو عملاً نافذ کرنے والی جماعت بھی مثالی کردار کی مالک ہو، وہ تو اس دستور کو کثرت رائے کے ذریعے نافذ کر نہ سکی تو آج کے دور میں یہ کیسے ممکن ہو گا؟

اسلامی نظام کی ترویج کے لئے اقتدار کی ضرورت سے انکار نہیں لیکن رائے عامہ کو صرف تبلیغ کے ذریعے ہموار کرنا اور اس طرح اسلامی انقلاب برپا کرنا خیال خام ہے۔ اس کے لئے ہجرت، جہاد اور دوسرے ذریعے ہی اختیار کرنے پڑیں گے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام اور مجاہدین اسلام کا دستور رہا ہے۔ (خلافت وجمہوریت: ص216۔219)

امور حکومت اور غلطی کے شکار علماء:

عالم اسلام میں عموماً تین قسم کے علماء نے امور حکومت کی طرف توجہ دی ہے............علماء کا ایک طبقہ وہ ہے جو اپنے مفادات کے حصول کے لئے ہر حکومت کے ساتھ ہے۔ ان کی باطل تاویلوں نے حکومتوں کو باطل پر قائم رکھنے کا سہارا دیا ہے۔ ویسے تو ہر دور میں ایسے لوگ رہے ہیں جو ہر طرح کے فتوے حکومتوں کو دیتے رہے ہیں۔ وہ حکومتوں کا رجحان دیکھتے ہیں۔ آج بھی ایسے علماء کی کمی نہیں ہے۔ ضیاء الحق کے دور حکومت میں جمہوریت کو مغربی کہہ کر اس کے خلاف فتوے دیتے تھے۔ تو آج وہی جمہوریت کے حق میں دلائل دیتے ہیں۔ ان سے طالبان یا امریکہ کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف فتویٰ لیا جاسکتا ہے۔ ان لوگوں کو اللہ سے ڈرنا چاہیے اور حکومتوں کو غلط مشورے نہیں دینا چاہیے اور معمولی دنیاوی لالچ میں دین کا نقصان نہیں کرنا چاہیے............

دوسرا طبقہ علماء کا وہ ہے جو غلط فہمی کا شکار ہیں یا مجبوری کا سہارا لیتے ہیں، مصر، شام، پاکستان اور دوسرے مسلم ملکوں میں ایسے علماء کی ایسی تعداد ہے، جنہوں نے اصلاح امت کا فریضہ ادا کرنے کے لئے جمہوریت کی عملی سیاست میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔ وہ طے شدہ نظاموں کے تحت انتخابات میں حصہ لیتے رہے اور کبھی پارلیمنٹ میں کوئی سیٹ بھی نہیں لیتے۔ یہ بزرگ اصلاح کے بڑے بڑے پروگرام اپنے پاس رکھتے تھے۔ لیکن انہیں ظالم سماج نے موقع ہی نہ دیا۔ بہت سارے دل ہی دل میں پروگرام رکھ کر دنیا سے رحلت فرما گئے اور کچھ باقی ہیں، جن کی بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی۔ ان کی مشکل یہ رہی ہے کہ وہ نظام کو غلط نہیں کہہ

سکے کیونکہ وہ نظام کا حصہ رہے۔ اگر کبھی غلط کہا بھی تو ان کو صرف اس بات سے چپ کروادیا گیا چونکہ عوام نے آپ کو سیٹ سے محروم کر دیا ہے، اس لئے شکست خوردہ ہو کر آپ باتیں کر رہے ہیں۔ حکومتی اور جمہوری ایوانوں میں علماء و مصلحین کے اس طبقے کے ہونے یا نہ ہونے سے سرکاری اداروں، پارلیمنٹوں اور جمہوریتوں میں اصلاح کے حوالے سے کوئی فرق نہیں پڑا۔

ہماری عافیت اللہ کے حکم اور دین کو قائم کرنے میں ہی ہے:

ایک نظر اس پر بھی کہ آج دنیا میں ہو کیا رہا ہے۔ یہ دل خراش صورت حال ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے باغیوں نے مسلمانوں کو باطل نظاموں کا باغی قرار دے کر ان سے حقوق چھین لئے ہیں۔ علاقوں پر قبضے کر لئے ہیں اور اللہ کے سچے داعی مسلمانوں کے لئے عرصہ حیات تنگ کیا جارہا ہے۔ اس ظلم کو برداشت کر کے بیٹھے رہنا اور دعوت کے ساتھ جہاد کی تیاری نہ کرنا امت مسلمہ کا بہت بڑا جرم ہے۔ ہر مسلمان فرد، جماعت اور حکومت کو اپنے وسائل اور اثرات کی بنیاد پر اللہ کے دین کے اس مسئلے پر بھرپور اور فی الفور توجہ کرنی چاہئے ورنہ غلامیاں اور محرومیاں بڑھتی چلی جائیں گی۔ مسلمان اپنے ملک اور حقوق محفوظ نہیں رکھ سکیں گے اور ہم اللہ کے سامنے کوئی جواب نہ دے سکیں گے۔

مسلمانوں کو پہلے اپنے دفاع کی جنگ لڑنی ہے اور جہاں مسلمانوں کو اللہ قوت عطا فرمادے، وہاں اللہ کا حکم قائم کرنا ہے اور اللہ کے حق کے لئے اللہ کے باغیوں اور طاغوتوں سے لڑنا ہے۔ تا آنکہ روئے زمین پر اللہ کا حکم قائم ہو جائے اور طاغوتوں کے سب حکم اور سب نظام مغلوب ہو جائیں۔ (عقیدہ و منہج ص125)

سودی نظام سے بچنے کا واحد حل جہاد ہے:

جب تک دنیا پر یہود و نصاریٰ اور دوسرے کفار کا تسلط ہے ہم سودی نظام نہیں بدل سکتے۔ اس مرض کا علاج جہاد فی سبیل اللہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ کفار اور ان کے گماشتوں کے تسلط کی وجہ سے ہم اس سُود کو سُود سمجھ ہی نہیں رہے۔ یہ صورت جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر ختم نہیں ہو گی۔ آپ لوگوں کو لاکھ اسلامی معشیت سنائیں، سمجھائیں جب تک اللہ تعالیٰ کا کوئی خاص بندہ جہاد کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ کر کے اس کی عملی صورت کو جو رسول اللہ ﷺ اور اسلام کے غلبے کے

زمانے میں قائم تھی اسے سامنے نہیں لائے گا، تب تک صرف تقریروں اور مقالوں سے لوگ نہیں سمجھ سکیں گے۔ (مقالات طیبہ، ص:112)

جمہوریت کی تباہ کاریوں سے متعلق لٹریچر:

جمہوریت کے غیر اسلامی اور کُفر ہونے پر علماء و آئمہ اہل السنۃ نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے، مسلم امہ کو اس باطل نظام نے کس طرح نقصان پہنچایا، مسلمانوں کے خطوں و ملکوں میں گروہ بندیاں پیدا کر کے ان پر اپنے من گھڑت قانون مسلط کیے اور مسلمانوں کو لامتناہی سیاسی و معاشی اور معاشرتی مسائل میں اُلجھا کر عالم اسلام کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ جمہوری نظام کی تباہ کاریوں سے متعلق لٹریچر کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے، جس میں اردو کتب خلافت و جمہوریت، جمہوریت اسلامی کیسے، جمہوریت دین جدید، رسائل و خطبات بہاولپوری عام فہم اور بہت مفید ہیں۔

دینی کتب کے علاوہ اب تو عام اخبارات و جرائد میں بھی اس بوسیدہ نظام کے متعلق پڑھنے کو بہت کچھ لکھا جاتا ہے۔ جس سے بآسانی یہ بات سمجھ آجاتی ہے کہ اس کُفریہ نظام کی نحوست ہی ہے کہ ہم بحیثیت قوم وملت کی طرح غیرت و حمیت اور ضمیر سے عاری ہو چکے ہیں۔

ذیل میں ہفت روزہ ندائے ملت کے اداریہ سے اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> "ہمارا نظام اسلامی نہیں بلکہ جمہوری ہے، جس میں کثرت رائے سے فیصلے ہوتے ہیں۔ جبکہ اسلام میں فیصلے حق و انصاف کی بنیاد پر ہوتے ہیں من حیث القوم ہم نے جمہوری نظام کو قبول کر رکھا ہے۔"

"امریکہ نے اپنے مذموم عزائم کی بار آوری کے لیے خطے میں فتنے اور فساد کی جو فصل نائن الیون کے بعد بوئی تھی وہ اب جوان ہو چکی اور اس خونیں فصل کو اب پاکستانی قوم کاٹ رہی ہے۔ گذشتہ آٹھ برس تک ایک آمر اس قوم کے مستقبل سے بے رحمی کے ساتھ کھیلتا رہا، اس نے اپنے ناپائیدار اقتدار کو طول دینے کے لیے وطن عزیز سمیت تمام خطے کو امریکی مفادات کے لیے "بازیچہ اطفال" بناڈالا۔ اسی دوران اس نے ملک کے تمام اداروں کی طرح عدلیہ پر بھی اپنی دھونس جمانے کی کوشش کی لیکن یہ وار الٹا پڑ گیا۔ آمر کے اس اقدام کی کوکھ سے ایک ایسی تحریک نے جنم لیا جس نے پاکستانی قوم کو باسٹھ برسوں بعد کسی ایک نکتے پر مجتمع

کر دیا تھا۔ اسی تحریک کے صدقے پاکستانی قوم نے جمہوریت کی تازہ ہوا میں سانس لیا۔ لیکن اس نام نہاد جمہوریت کے ایک برس بعد ہی پوری قوم کو اندازہ ہو گیا کہ یہ تبدیلی محض ''گارڈز کی تبدیلی'' تھی، جبکہ حالات وہی بلکہ اس سے بھی بدترین ہو چکے تھے۔

آٹے، شوگر اور دیگر اشیائے صرف پر حکومتی اور اپوزیشن کی شخصیات نے ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیئے، حکومتی اور پارلیمانی ایوانوں میں بیٹھے شوگر مافیا کی قوت اس قدر بڑھ گئی کہ اس نے سپریم کورٹ کے فیصلوں کو نظر انداز کر دیا...!! بجلی کی قیمت میں اضافہ کر کے اس کی قلت پیدا کی گئی تاکہ قوم قیمتوں سے بیگانہ ہو کر بجلی کی بحالی پر ہی اکتفا کر بیٹھے اور حکمران رینٹل پاور پراجیکٹس کی شکل میں اپنی ابلتی ہوئی جیبوں کو مزید بھر سکیں۔ اسے کہتے ہیں ''جمہوریت بہترین انتقام ہے۔''

اس انتقام کی دوسری شکل اس طرح ابھر کر سامنے آئی کہ پارلیمانی سیاست میں اٹھارہویں ترمیم کی بحالی جن مقاصد کی بھینٹ چڑھادی گئی اس نے نئے فتنے کو جنم دے دیا۔ یہ اٹھارہویں ترمیم کا ہی ''ثمر'' تھا کہ قائد اعظم کی جانشینی کی دعوے دار مسلم لیگ (ن) نے خیبر پختونخواہ کے حق میں ووٹ دے دیا۔ اقتدار تو اللہ کے ہی ہاتھ میں ہے، تیسری بار کون وزیر اعظم بنتا ہے یہ بھی اللہ ہی جانتا ہے، لیکن بھارتی کانگریس کے مفادات کی کوکھ سے جنم لینے والی اے این پی نے مرکز میں حکومتی پارٹی کے ساتھ مل کر قائد اعظم کی جانشینی کی دعویدار مسلم لیگ (ن) کو اٹھارہویں ترمیم کے ''ثمرات'' کا لولی پاپ دکھا کر وہ کام نکلوا لیا جسے خود ۱۹۴۷ء میں صوبہ سرحد کے عوام ۵۷ فیصد رائے دہی سے مسترد کر کے محمد علی جناح کی قیادت پر اتفاق کر چکے تھے۔ اس فیصلے نے ہزارہ کے خونیں مظاہروں کی شکل اختیار کر لی اور ایک ایسے وقت میں نئے صوبے بنانے کی بحث چھیڑ دی گئی جب ملکی وحدت کے لیے سب کو سر جوڑ کر بیٹھ جانا چاہیے تھا۔ چند مخصوص میڈیا چینلوں نے اس سلسلے میں ''جرگے'' سجانے شروع کر دیئے، حالانکہ اس وقت تو ان میڈیا چینلوں میں اس قسم کی بحث ہونی چاہیے کہ بجلی کے بحران سے نمٹنے کے لیے کالا باغ ڈیم کیوں ضروری ہے، قوم کی لوٹی ہوئی دولت واپس لانے کے لیے عدلیہ کا کس طرح ساتھ دیا جائے بد نامِ زمانہ این آر او زدہ شخصیات کا حقیقی احتساب کیونکر ممکن ہے، امریکی ڈرون حملوں اور اس کے بڑھتے ہوئے ناجائز مطالبات کا منہ بند کرنے کے لیے سیاست دانوں اور عوام میں کس قسم کے روابط کو فروغ دیا جائے، قبائلی علاقوں میں پھیلی غیر ملکی شورش کو حکومت اور عوام مل کر کیسے ناکام بنائیں، ایک ایسی جنگ جس میں پاک فوج کے بہترین جوان اور افسر اور بے شمار مقامی بے گناہ افراد شہید ہو چکے ہیں اسے ختم کر کے مذکرات کی میز پر بات کو کیسے لایا جائے۔ لیکن افسوس کہ ان تمام پہلوؤں کو یکسر نظر انداز کر کے نئے صوبے بننے چاہئیں یا نہیں بننے چاہئیں جیسی بحث کا آغاز کر دیا گیا۔

قوم تاریخ کے نازک ترین دوراہے پر کھڑی ابھی حکمرانوں اور سیاست دانوں کی اس "بالغ نظری" پر پریشان تھی کہ اقوام متحدہ کی تفتیشی ٹیم کی جانب سے بے نظیر کے قتل کی رپورٹ منظر عام پر آ گئی۔ اس رپورٹ کا متن پڑھنے کے بعد جو لب لباب سمجھ میں آتا ہے وہ کچھ پنجابی کی اس مثال کے مترادف ہے کہ "یہ کام کسی چور کا ہی لگتا ہے" اخباری اطلاعات کے مطابق اس رپورٹ کے ایک صفحے پر قوم کا پندرہ لاکھ ڈالر بہادیا گیا، لیکن نتیجہ صفر۔ رپورٹ پیش کرنے والی اقوام متحدہ کا حال تو یہ ہے کہ یہ خود اپنے سیکرٹری جنرل داغ ہیمر شولڈ کی کانگو میں "حادثاتی" موت کا سراغ نہ لگا سکی تھی۔ داغ ہیمر شولڈ Dag Hammaerskjold ستمبر 1961ء میں افریقی ملک کانگو میں ایک "پراسرار" فضائی حادثے میں مارے گئے تھے۔ ساری دنیا کے بیدار مغز ذرائع اس حادثے کے پس پشت ہاتھوں سے واقف تھے لیکن واقف نہیں تھی تو اقوام متحدہ...!! حکمرانوں اور سیاست دانوں کو سوچنا ہو گا کہ اب بھی اگر وہ ملک اور قوم کے مسائل کا حل پیش نہ کر سکے تو پھر تاریخ انھیں معاف کرے گی اور نہ ہی قوم ۔۔۔(ہفت روزہ ندائے ملت، ص: 5، شمارہ نمبر 17، 2110)

پاکستانی نظام کی مضحکہ خیزیاں اور نادیدہ قوتیں:

قیامِ پاکستان سے لے کر آج تک بے شمار مضحکہ خیزیاں دیکھنے میں آئی ہیں جن سے ہر ذی شعور بخوبی واقف ہے اور کسی کے پاس ان کا کوئی جواز اور جواب بھی نہیں ہوتا۔ زیادہ دور نہیں جاتے صرف ماضی قریب کے چند واقعات پر نظر ڈالنا ہی کافی ہو گا۔

① مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں پوری قوم کی خواہش کے برعکس پاکستان کے دو ٹکڑے کر دیے گئے۔

② اگست 1988ء میں صدر پاکستان اور ملک کی اعلیٰ عسکری قیادت کے طیارے کو فضا میں ہی تباہ کر دیا جاتا ہے۔ جس کی تحقیقات کبھی مکمل نہیں ہوں گی۔ اور قوم یہ سب بھول چکی ہے۔

③ ایک وزیر اعظم کو پھانسی اور ایک کو ملک بدر کر دیا گیا۔

④ ایک مجرم چار سال تک جیل میں قید رہا۔ چار سال بعد پتا چلا کہ یہ تو اب وزیر اعظم بننے کے قابل ہو گیا ہے، لہٰذا اس کے تمام جرائم و مقدمات صاف کر کے اسے وزارت اعظمیٰ کی کرسی پر بٹھا دیا گیا۔

۵　ملک کے اندر اور باہر کرپشن میں ریکارڈ شہرت یافتہ معروف سردار آٹھ سال تک جیل میں قیدی کے طور پر مقدمات کی پیشیاں بھگتتا رہا۔ اچانک پروانہ آیا کہ اتنا عرصہ جیل کاٹنے سے تو اب یہ صدر پاکستان کا مقام پانے کے قابل ہے۔ لہٰذا آناً فاناً تمام جرائم اور مقدمات ختم ہو گئے اور جناب کرپٹ ملزم صاحب پاکستان کی کرسی صدارت پر براجمان ہو گئے، سب نے کہا کہ ان کا تو کوئی جرم ہی نہیں اور جناب خود فرماتے ہیں کہ میرے خلاف کسی کے پاس ثبوت ہیں تو سامنے لائے اور موصوف سربراہ مملکت ہوتے ہوئے بھی اپنی بیوی کے قتل کی حقیقت عوام کے سامنے نہیں لا سکتے نا قاتلوں کو پکڑ سکے۔

کیونکہ ثبوت بھی انہی کے پاس ہیں جو انھیں لاتے ہیں۔ مشرف کے دور میں الیکشن ہوئے تو پانچ ماہ تک وزیر اعظم کسے بنائیں یہ فیصلہ نہ ہو سکا اور ہوا تو جمالی کمالی ہوا۔ پھر امپورٹڈ وزیر اعظم کے لیے کئی جتن کر کے اسے کرسی پر بٹھایا گیا تو اُس نے ملک کے اہم اور بڑے اداروں کی نیلامی کی سیل جاری کر دی، عوام کی بنیادی ضرورت گندم چوہوں کے ڈر سے سستے داموں ایکسپورٹ کر دی اور پھر خود ساختہ قلت پیدا کر کے کئی گنا زیادہ قیمت پر امپورٹ کر لی اور یہ شوکت عزیز صاحب ملک آنے سے پہلے صیہونی بنک کے ملازم تھے تو اب ایک انڈین کمپنی کے ملازم ہیں۔

۱　ملک میں لا اینڈ آرڈر پر سب سے زیادہ کنٹرول و اختیار رکھنے والی شخصیت جناب چیف جسٹس آف سپریم کورٹ پاکستان کو صدر کے آڑے آنے پر بے اختیار کر کے گھر بند کر دیا گیا۔ عوامی تحریک کی صورت میں چیف جسٹس کی بحالی ہوئی تو اُس کی کوئی سنتا یا مانتا ہی نہیں۔ چیف جسٹس صاحب کے بیانات آتے ہیں کہ ہمارے فیصلے سڑکوں پر روندے جا رہے ہیں۔ اور جناب پوچھتے ہیں کہ ہمارے فیصلوں کو ماننے میں رکاوٹ کون سے ہاتھ ہیں وہ کونسی نادیدہ قوتیں ہیں جو ہمارے حکم پر عمل نہیں ہونے دے رہیں۔ لگتا ہے کہ اب انہیں بھی سمجھ آ چکی ہے کہ ان نادیدہ قوتوں کو کوئی سامنے نہیں لا سکتا اور ہم ان کے سوا کا ہے کے نہیں۔

یہ عین حقیقت ہے کہ یہ نادیدہ ہاتھ اور مکر وہ کردار ہی ہمارے ملک و قوم کے خلاف برسرپیکار ہیں۔ بدقسمتی کا اور افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ان دشمن قوتوں کے آلہ کار بننے والے چہرے بدل بدل کر آنے جانے والے سب مکار اسی ملک کی مٹی کے غدار ہیں۔ جنھیں نہ ملک کے ٹکڑے کرتے ہوئے کوئی درد ہوتا ہے نہ عوام کا خون چوسنے پر ترس آتا ہے۔ نہ ملک کے اثاثے بیچنے میں کوئی ہچکچاہٹ ہوتی ہے اور نہ ملک کی عزت و ناموس قوم کی پاکباز بیٹیاں نیلام کرنے میں غیرت و حمیت آڑے آتی ہے۔

یہ سب ننگِ دین ننگِ ملت اس جمہوری نظام کی پیداوار اور اس کا ضروری حصہ ہیں۔

(۲) ملک کے اہم ہوائی اڈے امریکی فوجیوں کی تحویل میں ہیں۔ اسلام آباد میں سینکڑوں رقبے پر امریکی سفارتی و فوجی اڈے تعمیر ہیں۔FBI، CIA اور بلیک واٹر کے سینکڑوں اہلکار شہر شہر قتل و غارت گری کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں۔ جس میں ہماری فورسز سے ریٹائرڈ افراد کو پرکشش مراعات پر مستعار لیا جارہا ہے۔ نیٹو کو سپلائی کے لیے افغانستان جانے والے اوور لوڈڈ ٹرالروں نے اربوں روپے سے تعمیر شدہ ہائی روڈ توڑ پھوڑ دی ہے جب کہ ان کا چالان بھی نہیں کیا جاسکتا۔

امریکی آفیسرز کہتے ہیں کہ ہمارے خفیہ اہلکار پاکستان میں موجود ہیں جب کہ وزیر داخلہ کہتے ہیں کہ اگر کہیں موجودگی ثابت ہو جائے تو میں استعفیٰ دے دوں گا۔ آئے روز پولیس کے ہاتھوں پکڑے جانے والے مسلح امریکیوں کو نادیدہ قوتوں کی فون کال پر چھوڑنا پڑتا ہے۔

شریعت اسلامیہ کے سوا باقی تمام قوانین طاغوت ہیں:

شریعت اسلامیہ کے سوا باقی تمام قوانین طاغوت ہیں، طاغوت کی پیروی منافقت اور گمراہی ہے اور طاغوت کا انکار واجب ہے۔ اللہ نے فرمایا:

> ”کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس چیز پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم پر اتاری گئی ہے، اور اس پر بھی جو تم سے پہلے اتاری گئی، لیکن چاہتے ہیں کہ فیصلے کے لئے اپنے معاملات طاغوت کے پاس لے جائیں، حالانکہ انھیں اس کے انکار کا حکم دیا گیا ہے۔ اور شیطان تو چاہتا ہے کہ انھیں نہایت دور کی گمراہی میں ڈال دے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کی طرف آؤ تو تم منافقین کو دیکھتے ہو کہ وہ تم سے کتراجاتے ہیں۔“ (النساء :20،21)

اسلام کے سوا کسی قانون میں پناہ چاہنا آخرت کا بدترین خسارہ ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور جو اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب بنے گا تو وہ اس سے ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا۔''

ان آیات بینات میں غور و فکر کرنے سے بات سامنے آتی ہے کہ ذات باری تعالیٰ کی غیرت قطعاً گوارہ نہیں کرتی کہ قرآن و سنت کے علاوہ کسی قانون کی طرف نگاہ التفات بھی کی جائے۔ قانون شریعت کے سوا کسی دوسرے تیسرے قانون کی پاسداری کرنا، اس کا احترام کرنا اپنے معاملات میں اسے فیصل تسلیم کرنا، حرام ہے۔ کیونکہ یہ کفریہ قوانین ہماری دنیا و آخرت کے خسارے اور عذاب الٰہی کا سبب ہیں۔ اس لیے یہاں تک بس چلے ہمیں ان باطل نظاموں اور قوانین سے چھٹکارا پانے کی فکر کرنی چاہیے ان سے انکار اور حکم اللہ کے نفاذ کی کوششوں میں اپنی جان اور اموال پیش کر دینے میں ہی عافیت ہے۔

علمائے حق کو چاہیے کہ بڑھ کر قیادت سنبھالیں:

پس ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی نظام کے لئے کوشاں تمام تحریکات اپنے مقصد و منہج کو واضح رکھیں، دشمن (یہود و نصاریٰ اور مشرکین و مرتدین) اور اس کے رائج کردہ سرمایہ درانہ و جمہوری نظام کو اچھی طرح سمجھیں، اسلامی دنیا میں ان نظاموں کو تحفظ فراہم کرنے والوں کو خوب پہچانیں۔ پھر اس فتنے کے خاتمے کی خاطر اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے سب کے سب یک جان و یک زبان ہو جائیں۔ دعوت و جہاد کے میدانوں میں اپنی تمام تر استعداد کے ساتھ اتر آئیں۔ اہل دعوت اہل جہاد کے معاون بن جائیں۔ علمائے کرام بھی ایسی تحریکات کی چند جزئیات سے اختلاف کے سبب انہیں مکمل طور پر مسترد نہ کریں بلکہ آگے بڑھ کر ان تحریکات اور اہل جہاد کی قیادت سنبھالیں، اور شریعت کے اصولوں کے مطابق اس قافلہ حق کی رہنمائی فرمائیں۔

جہاد و شہادت کے لے تیاری نہ ہونے کا بہانہ:

کچھ لوگ یہ نکتہ بھی اٹھاتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہونا تو چاہیے لیکن معاملہ چونکہ ریاست کے ساتھ براہ راست ٹکر لینے کا ہے اور اس کی فی الحال تیاری نہیں کہ ریاست کے ساتھ براہ راست ٹکر لی جائے، چنانچہ فی الحال جہاد و شہادت کے نعرے لگانا، لوگوں کو جہاد پر ابھارنا اور انہیں شریعت اسلامیہ کے نفاذ کی طرف راغب کرنا مناسب نہیں۔ پہلے '' تیاری'' ہونی چاہیے اور عسکری طاقت حاصل کر کے جہاد کے لئے راہ ہموار کرنی چاہیے۔ بادی النظر میں یہ رائے بہت معقول محسوس ہوتی ہے مگر آپ پاکستان کی ۶۰ سالہ تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے، کیا آج تک کسی تنظیم اور جماعت نے اس نہج پر تیاری کی؟ اب بھی جب کہ حکومت کی اسلام دشمنی واضح ہو

چکی ہے محض نعروں، قراردادوں جلسوں جلوسوں پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ بزعم خود جس قوت کی ضرورت ہے اس کے حصول کے لئے نہ تو رغبت دلائی جاتی ہے، نہ ہی اس کے حصول کے اسباب مہیا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے "تیاری" نہ ہونے کو بطور بہانہ پیش کرنا اور عملاً تیاری کی سمت کوئی قدم نہ اٹھانا قرآن کی رو سے منافقین کا خاص شیوہ ہے۔

سورۃ التوبہ میں اللہ تعالیٰ منافقین کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اور اگر وہ نکلنا چاہتے تو ضرور اس کے لئے کچھ سامان تیار کرتے، لیکن اللہ نے ہی ان کا نکلنا پسند نہ کیا۔ سو انہیں روک دیا اور ان سے کہہ دیا گیا کہ بیٹھے رہو بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ"

امام المفسرین طبری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ:

"پس ان (منافقین) کا تیاری نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا ارادہ ہی دراصل یہ تھا کہ جہاد کی راہ سے پیچھے رہیں۔"

جہاد کشمیر اور قبائلی آپریشنز:

مؤرخہ ۳۰ اپریل ۲۰۱۰ء کو روزنامہ نوائے وقت کے فرنٹ پیج پر چھپنے والی ایک خبر ملاحظہ فرمائیں:

پاکستان نے بھارتی سرحد سے ایک لاکھ فوج ہٹا کر مغربی علاقوں میں تعینات کر دی۔ پینٹاگون

"مغربی سرحدوں پر تاریخ کی بڑی تعیناتی کی گئی ہے افغان طالبان مضبوط ہو رہے ہیں پاکستان اور امریکہ کے دفاعی تعلقات میں نمایاں بہتری ہوئی ہے۔ یہ غیر معمولی تعیناتی اور بھارت کے خلاف فوج میں کمی اس بات کا اشارہ ہے کہ پاکستان بھارت کے مقابلے میں اندرونی عسکریت پسندوں کو اپنے لیے زیادہ خطرہ سمجھتا ہے۔ اس وقت فاٹا اور قبائلی علاقوں میں پاکستان کے ایک لاکھ ۴۰ ہزار فوجی عسکریت پسندوں کے خلاف سرگرم ہیں جب کہ امریکی اتحادیوں کی بڑی کارروائیوں کے باوجود افغانستان میں طالبان مضبوط ہو رہے ہیں اور ۱۲۱ اضلاع میں سے ۹۲ میں طالبان کی حمایت موجود ہے۔"

جہاد کشمیر کی فرضیت و اہمیت سے کسی کو انکار نہیں مگر یہ کیسا منطق ہے کہ ہمارے کلمہ گو حاکم کہیں کہ تم کشمیر ایشو پر جہاد جاری رکھو کیونکہ یہ ہمارے اداروں کی بھی ضرورت ہے اور افغانستان یا قبائل میں سجے میدانوں کی طرف نہ دیکھو کیونکہ ہم امریکہ کے آگے

مجبور ہیں۔ اہل شعور کے لیے یہ کیسی واضح پالیسیاں ہیں کہ جس فوج کے اصل سیاسی ایشو پر ہم اپنی تمام تر خدمات پیش کر رہے ہیں اپنے مال اور جانیں قربان کر رہے ہیں وہی ہمارے محب وطن قبائل کا ناطقہ بند کیے ہوئے ہیں۔ کرفیو نافذ ہیں، آپریشن جاری ہیں بے گناہ قبائلیوں کے گھر، مکان بچے عورتیں بوڑھے اور جوان بے گناہ میزائل حملوں میں راکھ کے ڈھیر بنائے جا رہے ہیں۔ تمام اہل دل سیاسی و مذہبی دانشور دہائی دے رہے ہیں کہ قبائل میں جاری جنگ ہماری نہیں ہے۔ فی الفور اس جنگ سے اپنی فوجوں کو نکال کر مشرقی سرحدوں پر اپنے اصل دشمن انڈیا کے مقابل کھڑا کیا جائے مگر اہل اقتدار اس درد عالم سے بالکل بے پرواہیں کیونکہ یہ سب ان باطل نظاموں میں جکڑے بندھے ہوئے ہیں۔ دیکھنے میں تو قبائل اور فوج دونوں ہمارے ملک کے محب اور محافظ ہیں تو ان کے مابین مشکلات کم کرنے میں ہمارے مذہبی و جہادی باوے اپنے کردار کیوں نہیں پیش کرتے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

> ”جب مومنوں کے دو گروہ آپس میں جھگڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔ ایسا نہ ہو تو جو زیادتی کرنے والا ہو اُس کے خلاف کمزور (مظلوم) کی مدد کرو اور ان کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلہ کرو۔“(الحجرات:9)

ان پر سوز حالات میں بھی تمام سیاسی و مذہبی و جہادی رہنما اپنے اپنے دستر خوانی پروگرامز اور ایشوز سے آگے نہیں بڑھ رہے۔ شاید اس لیے کہ جہاد کشمیر سے الگ ایشو ہونے کی وجہ سے اس کی اجازت نہیں ہے۔

ایسے میں قبائلی مسلمانوں اور افغان مجاہدین کی یہ بھی بہت بڑی مدد اور حمایت ہو گی کہ ہم جہاد کشمیر کو بہت زیادہ تیز کر دیں اتنا بڑھا دیں کہ انڈیا سے باقاعدہ جنگ شروع ہو جائے تو لازمی طور پر قبائل میں الجھی ہوئی ہماری فوج اپنے اصل دشمن سے نبرد آزما ہو گی اور اس سے مسلمان بھی سکھی ہوں گے۔ پانی کی قلت اور زرعی مسائل بھی حل ہو جائیں گے۔

محترم مجید نظامی صاحب اس جہاد کے لیے ہمہ وقت تیار ہیں اور اتنے تیار ہیں کہ کئی بیان دے چکے ہیں کہ انڈیا سے جنگ لڑو یہ ہمارا ایمان ہے اور اسی میں ہماری بچت ہے، ایٹم بم چلانا پڑے تو اسے چلایا جائے۔ اور یہاں تک کہتے ہیں کہ مجھے بھی میزائل کے ساتھ ہی انڈین ڈیموں پر دے مارو۔

ہندو سے دشمنی پر نظامی صاحب کا ایمان و جذبہ فولادی ہے مگر ان کا ساتھ دینے والا بھی تو کوئی اٹھے۔ ہمیں اپنے آپ کا جائزہ لینا چاہیے کہ موجودہ حالات میں برپا معرکہ حق و باطل میں ہمارا کردار کیا ہے۔ ہم نے کلمہ گو لوگوں میں سے مظلوم کا ساتھ دیا یا ظالم کا۔ کفر و شرک کے مرتکب کو کلمہ حق کہا یا کہ اُس کے حکم کی تائید و بجا آوری میں اہل حق کو ہی جھٹلایا ہے۔ فریقین میں صلح جوئی کے لیے کیا کچھ کیا ہے۔

یہ کہنا ٹھیک ہے کہ ہم اپنی ریاست یا ریاستی اداروں کے خلاف مسلح کوششوں کا حصہ نہیں بن سکتے۔ جب کہ ان اداروں میں شامل افراد بھی تو ہمارے بھائی بند ہی ہیں تو ہم انھیں ایمان و اسلام کے تحفظ کی دعوت تو دے سکتے ہیں اور یہ ہمارا اوّلین فریضہ ہے اسی میں ہمارے دین و اسلام ریاست اور اداروں کا دفاع ہے۔ یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ اب کفر و اسلام کے مابین جاری معرکے میں اہل اسلام کا ساتھ دینے والوں اور مجاہدین اسلام کی حمایت کرنے والوں کے لیے کڑے امتحان ہیں مصائب و آلام ہیں۔ ان کے بزنس، دفاتر، کارخانوں، گاڑیوں، مدارس اور مجالس پر بھی حملے ہوتے ہیں۔ ان کے لیے دنیاوی آسائشیں ناپید ہو جاتی ہیں۔ شہروں اور میدانوں میں ہی نہیں پتھروں اور پہاڑوں میں بھی کفران کا تعاقب کرتا ہے۔

دریں اثنا متلاشیان شہادت کے لیے اب بہت آسانیاں ہیں۔ بس اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر اہل کفر امریکی اتحادیوں سے مکمل برائت کا اظہار کرنے اور ان کے مقابلے میں کھڑے اہل ایمان سے ہمدردانہ وابستگی کی دیر ہے۔

ہم کس بات کے پابند ہیں؟

ہم درست راہ عمل اپنانے کے پابند ہیں، نتائج کی ذمہ داری ہم پر نہیں۔ جہاد و شہادت کے اس راستے میں اگر ہمارا گھر بار لٹ جائے، ہماری جانیں چلی جائیں، ہمیں فاسفورس بم پھینک کر جلا دیا جائے...... گیس، پانی اور بجلی بند کر کے ہمیں بھوکا پیاسا مرنے پر مجبور کر دیا جائے...... ہمارے جسموں کو گولیوں سے چھلنی کر کے موت کو گلے لگانے پر مجبور کر دیا جائے........ مگر حق کے ساتھ ہماری وابستگی ٹوٹنے نہ پائے، اور اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے، اس کی نازل کردہ شریعت کی توقیر بڑھ جائے تو ہمارے لئے اس دنیا میں اور آخرت میں کامیابی ہی کامیابی ہے۔

لیکن اگر نظام کفر کے ساتھ مصالحت اور مفاہمت کر کے کوئی تحریک شروع کی جائے تو دنیا و آخرت کی کسی بھی کامیابی کا تصور محال ہے۔

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ''سنو! اسلام کی چکی گھوم رہی ہے تو جس طرف قرآن کا رخ ہو تم بھی ادھر گھوم جاؤ....... سنو! قرآن اور اقتدار عنقریب جدا ہو جائیں گے، خبردار! تم قرآن کا ساتھ نہ چھوڑنا!........ آئندہ ایسے حکمران ہوں گے جو تمہارے بارے میں فیصلے کریں گے، اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں گمراہ کر ڈالیں گے اور اگر تم ان کی نافرمانی کرو گے تو وہ تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے''.........

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے پوچھا، '' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! تب ہم کیا کریں؟' فرمایا وہی کرو جو عیسٰی علیہ السلام کے حواریوں نے کیا، وہ لوگ آروں سے چیرے گئے، سولیوں پر لٹکائے گئے (لیکن حق کو نہ چھوڑا) (الطبرانی)

ہجرت و جہاد اور شہادت کی راہ عزیمت پر چلنے کی سکت نہ رکھنے والوں کو چاہیے کہ اپنے قرب و جوار میں اپنے عزیز و اقارب میں عقیدہ توحید اور ایمان کی اصلاح و پختگی کے لیے پرزور دعوت پیش کریں۔ حکومتی اور بندوبستی اداروں میں موجود عہدیداروں کو اپنے دین و ایمان، وطن و ملت کے دفاع کا احساس دلائیں اور ہر کوئی یہ فکر کرے کہ میرے کسی بھی قول و عمل سے کسی صورت اہل اسلام کا کوئی نقصان نہ ہو۔ اور یہ کہ مجاہدین کی حمایت و نصرت میں جتنا ہو سکے اپنا اپنا کردار پیش کریں۔ فی سبیل اللہ جانیں پیش کرنے والوں کو نقصان پہنچانے والے یقینا اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ عارضی دنیا کی خاطر اپنے ہی ایمان گنواتے ہیں اور مجاہدین تو ہر حال میں کامیاب ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہم سب کو راہِ حق کی طرف گامزن کرے۔

کتابیات

۞ القرآن الکریم

۲ احادیث مبارکہ کتب متفرقہ
۳ تفسیر ابن کثیر، امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ، مکتبہ قدوسیہ غزنی اسٹریٹ اردو بازار لاہور۔
۴ فتاویٰ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ
۵ عقیدہ ومنہج، حافظ محمد سعید، جنوری 2004ء دارالاندلس ۴۔ لیک روڈ چوبر جی لاہور۔
۶ کلمہ گو مشرک، ابوالحسن مبشر احمد ربانی، دارالاندلس ۴۔ لیک روڈ چوبر جی لاہور۔
۷ مقالات طیبہ، حافظ عبد السلام بن محمد بھٹوی، دارالاندلس ۴۔ لیک روڈ چوبر جی لاہور۔
۸ خلافت وجمہوریت، مولانا عبد الرحمن کیلانی، دارالسلام
۹ حسن عقیدہ، اعداد۔ طاہر نقاش، نظر ثانی مبشر احمد ربانی، اگست 2004 دارالابلاغ لاہور۔
۱۰ طاغوت، ڈاکٹر سید شفیق الرحمن، مارچ 2009، مکتبہ دارالتوحید۔ بہاولپور
۱۱ کبیرہ گناہ اور نواقض اسلام، ڈاکٹر سید شفیق الرحمن 2009، مکتبہ قدوسیہ۔ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔
۱۲ دوستی اور دشمنی، الشیخ عبد الحکیم حسان جولائی 2004، دارالاندلس ۴۔ لیک روڈ چوبر جی لاہور۔
۱۳ الجہاد الاسلامی، مفتی عبد الرحمن الرحمانی، 2004، دارالاندلس ۴۔ لیک روڈ چوبر جی لاہور۔

نجات اخروی کا دار و مدار

عقیدہ و منہج کا سمجھنا دین میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام سب سے پہلے آکر عقیدے کی اصلاح کیا کرتے تھے۔ عقیدے کی اصلاح کے ساتھ ہی عمل کی اصلاح ہوتی ہے اور عمل کی اصلاح سے اخلاق و معاملات کی اصلاح ہوتی ہے اور اس طرح پورے معاشرے کی اصلاح ہوتی ہے۔ اس سارے عمل میں بنیاد عقیدہ ہی ہے۔ ہر مسلمان کو سب سے پہلے اپنے عقیدے کا فہم و شعور حاصل کرنا چاہئے اور یہ جاننا چاہئے کہ اس کا عقیدہ درست اور عین اسلام کے مطابق ہے یا نہیں کیونکہ نجات کا سارا دار و مدار عقیدے پر ہے۔ اگر عقیدہ درست نہ ہو گا تو اچھے سے اچھا عمل بھی بے کار جائے گا۔ (عقیدہ و منہج بیک ٹائٹل)

حکمت مشرق و مغرب نے سکھایا ہے مجھے
ایک نکتہ کہ غلاموں کے لئے ہے اکسیر

دین ہو، فلسفہ ہو، فقر ہو، سلطانی ہو
ہوتے ہیں پختہ عقائد کی بنا پر تعمیر

حرف اس قوم کا بے سوز، عمل زار و زبوں
ہو گیا پختہ عقائد سے تہی جس کا ضمیر (ضرب کلیم)

اخوانکم فی الاسلام:

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

Website: http://muwahideen.co.nr/
Email: salafi.man@live.com

نجات اخروی کا دار و مدار

عقیدہ و منہج کا سمجھنا دین میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام سب سے پہلے آکر عقیدے کی اصلاح کیا کرتے تھے۔ عقیدے کی اصلاح کے ساتھ ہی عمل کی اصلاح ہوتی ہے اور عمل کی اصلاح سے اخلاق و معاملات کی اصلاح ہوتی ہے اور اس طرح پورے معاشرے کی اصلاح ہوتی ہے۔ اس سارے عمل میں بنیاد عقیدہ ہی ہے۔ ہر مسلمان کو سب سے پہلے اپنے عقیدے کا فہم و شعور حاصل کرنا چاہئے اور یہ جاننا چاہئے کہ اس کا عقیدہ درست اور عین اسلام کے مطابق ہے یا نہیں کیونکہ نجات کا سارا دار و مدار عقیدے پر ہے۔ اگر عقیدہ درست نہ ہوگا تو اچھے سے اچھا عمل بھی بے کار جائے گا۔ (عقیدہ و منہج بیک ٹائٹل)

....

حکمت مشرق و مغرب نے سکھایا ہے مجھے
ایک نکتہ کہ غلاموں کے لئے ہے اکسیر
دین ہو، فلسفہ ہو ، فقر ہو ، سلطانی ہو
ہوتے ہیں پختہ عقائد کی بنا پر تعمیر
حرف اس قوم کا بے سوز ، عمل زار و زبوں
ہوگیا پختہ عقائد سے تہی جس کا ضمیر

Design: Abdul Qayyoum 0333 8242783